ماہنامہ مجلہ

حیاتِ نو

بلریا گنج

شہادت حسین فی الحقیقت حق و صداقت، آزادی و حریت امر بالمعروف و نہی عن المنکر کی ایک عظیم الشان انسانی قربانی تھی جو صرف اس لئے ہوئی تا کہ پیروان اسلام کے لئے ایک اسوہ حسنہ پیش کرے اور اس طرح جہاد حق و صداقت اور اس کے ثبات و استقامت کی ہمیشہ کے لئے ایک کامل ترین مثال قائم کرے۔

مقالات ابوالکلام آزاد ص: ۷

انجمن طلبہ قدیم جامعۃ الفلاح کا ترجمان

ماہنامہ مجلہ

حیات نو

بلریا گنج

شمارہ نمبر: ۳	محرم ۱۴۲۴ھ مارچ ۲۰۰۳ء	جلد نمبر: ۱۹

مدیر مسئول

ابوالمکارم فلاحی

مدیر معاون

انیس احمد فلاحی مدنی

* سالانہ زرتعاون: 90-00 روپے
* خصوصی زرتعاون: 100-00 روپے
* بیرون ملک سے: 25-00 امریکی ڈالر

* طلبہ کے لئے: 80-00 روپے
* اعزازی زرتعاون: 1000-00 روپے
* قیمت فی شمارہ: 9-00 روپے

☐ اس دائرے میں سرخ نشان کا مطلب ہے کہ آپ کی مدت خریداری ختم ہوچکی ہے
لہذا جلد از جلد سالانہ زرتعاون ارسال فرمائیں۔

مضمون نگار کی رائے سے ادارے کا متفق ہونا ضروری نہیں ہے۔

ترسیل زر کا پتہ: دفتر ماہنامہ "مجلہ حیات نو" جامعۃ الفلاح
بلریا گنج، اعظم گڑھ یوپی 276121- فون نمبر، 05466-225115

نقوش حیات نو

اداریہ:

ماہ محرم کا پیغام	انیس احمد	۳

مقالات:

قیامت کی نشانیاں	یوسف الوابل	۵
خودکش حملوں کی شرعی حیثیت	ڈاکٹر محمد موسیٰ الشریف	۱۲

بحث ونظر:

شیعہ اور احادیث	ابو عارض فلاحی	۱۷
منکرین مسلمان	شاہ عالم فلاحی	۲۱
پردہ ایک تقابلی مطالعہ (۱)	اے ایچ نعمانی	۲۴
نقوش عقاد ایک مطالعہ	عرفات اعظمی	۳۴

مذاہب عالم:

بدھ مت کی مقدس کتابیں (۲)	انیس احمد مدنی	۴۳

فقہ وفتاویٰ:

انگریزی تاریخ کے استعمال کا حکم	ابوارقم فلاحی	۴۶

جامعہ کے لیل ونہار:

ہدیہ کتب برائے سنٹرل لائبریری	ادارہ	۴۷

اداریہ

ماہ محرم کا پیغام

انیس احمد فلاحی

محرم اسلامی تاریخ کا پہلا مہینہ ہے، عہد فاروقی میں سب سے پہلے ابوموسیٰ الاشعری رضی اللہ عنہ نے اس ضرورت کی جانب خلیفہ کی توجہ مبذول کرائی کہ آپ کے سرکاری فرامین واحکامات بلا تاریخ کے ہوتے ہیں جس کی وجہ سے دوسروں پر ان کی سرکاری حیثیت واہمیت واضح نہیں ہوتی، عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے صحابہ کرام کی مجلس شوریٰ بلائی، بعض صحابہ نے رومی تاریخ اور بعض نے ایرانی وپارسی تاریخ اختیار کرنے کا مشورہ دیا لیکن جمہور صحابہ کے لئے قابل قبول نہ ہوا، پھر باہمی صلاح ومشورہ سے ہجرت نبوی کو اسلامی تاریخ کا نقطہ آغاز قرار دیا گیا کیوں کہ آپ کی پیغمبرانہ زندگی کا یہی وہ اہم واقعہ تھا جس سے مستقل آزاد اسلامی مملکت کے قیام کی راہ ہموار ہوئی۔ پھر یہی وہ مہینہ ہے جس میں انصار نے نبی اکرم ﷺ کے ہاتھ پر بیعت کی اور ان کی دعوت اور وعدہ نصرت پر ہجرت کا فیصلہ کیا گیا۔

سن ہجری کا آغاز ہمیں یاد دلاتا ہے کہ منصب قیادت وسیادت کے لئے ہجرت کی راہ اختیار کیے بغیر اور خواہشات، مرغوبات نفس، جاہ ومنصب اور اقتدار کے لالچ سے ہجرت یعنی دوری اختیار کیے بغیر ایمان واخوت کا پیدا ہونا ممکن نہیں اور ایمان واخوت کے بغیر اتحاد واتفاق اور ملت کی شیرازہ بندی ممکن نہیں اور اتحاد واتفاق اور ملت کی شیرازہ بندی کے بغیر عظمت رفتہ کی بازیابی محال ہے۔

اسلامی تاریخ کے مہینے قمری ہیں اور ان کے آغاز واختتام کو ہر کس وناکس جان جاتا ہے کیوں کہ چاند کے طلوع وغروب سے ان کا تعلق ہے، اس کے مہینے ان انگریزی مہینوں کی طرح نہیں ہیں جن کی کوئی مستقل بنیاد نہیں اور ان کے درمیان موجود اختلاف کی کوئی محسوس یا معقول

دلیل بھی موجود نہیں ہے، یہی وجہ ہے کہ بیسویں صدی میں انگریزی مہینوں میں پائے جانے والے اختلافات کو فرو کرنے اور انھیں منضبط کرنے کے لئے مختلف تجاویز پیش ہوئیں لیکن راہبوں کی مداخلت کی بنا پر انھیں نظر انداز کر دیا گیا۔

غور کیجئے یہود و نصاریٰ کے علماء کو ان وہمی مہینوں میں بھی مداخلت گوارا نہیں جس کی کوئی بنیاد ان کے پاس نہیں ہے، جب کہ قمری مہینے جو قرآن کریم سے ثابت ہیں۔''ان عــدة الشهور عند الله اثنا عشر شهرا فی کتاب الله یوم خلق السماوات والارض منها اربعة حرم ''(سورة التوبة:۱۰۶) مہینوں کی گنتی اللہ کے نزدیک بارہ مہینے ہیں اللہ کے حکم میں، جس دن اس نے پیدا کئے تھے آسمان اور زمین ان میں چار مہینے ادب کے ہیں۔

اور پھر یہ مہینے کسی مخصوص دیوی، دیوتا کی موت و حیات سے متعلق نہیں ہیں بلکہ چاند کے طلوع و غروب سے متعلق ہیں جس کی افادیت پورے عالم کے لئے ہے، گویا قمری مہینے پورے عالم کی تاریخ ہے ارشاد باری ہے:''ویسألونك عن الاهلة قل هي مواقيت للناس ''۔(سورة البقرة:۱۸۹) تجھ سے پوچھتے ہیں حال نئے چاند کا کہدے کہ یہ اوقات مقررہ ہیں لوگوں کے واسطے۔

قمری مہینوں کی اس شرعی و عالمی اہمیت کے باوجود مسلمانوں کا انھیں نظر انداز کرنا اور آپسی معاملات میں اسے استعمال نہ کرنا باعث تشویش ہے، امام احمد سے ایرانی مہینوں کے استعمال کے بارے میں دریافت کیا گیا تو آپ نے اس پر شدید ناپسندگی کا اظہار کیا۔ اور امام مجاہد اسلامی مہینوں کے بجائے فارسی مہینوں کے استعمال کو مکروہ سمجھتے تھے، اے کاش ملت اسلامیہ اور ممالک اسلامیہ انگریزی تاریخوں کے بجائے اسلامی تاریخ کا استعمال کرتے تاکہ اسلام کی نشاۃ ثانیہ کے امکانات کو کچھ تقویت حاصل ہو سکے، مقام افسوس ہے کہ مدارس دینیہ میں بھی اسلامی تاریخ کو خاطر خواہ اہمیت نہیں دی جاتی حالانکہ انھیں اسلامی قلعوں سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

☆☆☆☆

☆☆☆☆

مقالات

قیامت کی نشانیاں

(۴)

یوسف الوائل

۲۲: قتل و خون ریزی کی کثرت: ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا!''قیامت اسوقت تک واقع نہ ہوگی جبتک کہ''ہرج'' عام نہ ہو جائے۔ پوچھا گیا کہ اے اللہ کے رسولؐ ہرج کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا!''قتل ہی قتل''۔ صحیح مسلم، کتاب الفتن، ۱۳/۱۸)

ابو موسیٰ الاشعریؓ روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا! ''قیامت سے پہلے ''ہرج'' عام ہو جائے گا۔ صحابہؓ نے پوچھا! ''ہرج'' کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا!''قتل'' صحابہ نے پوچھا! کیا اس سے زیادہ جتنا ہم قتل کرتے ہیں؟ ہم ایک سال میں ستر ہزار سے زائد لوگوں کو قتل کرتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا!'' قتل سے مراد جہاد کے دوران مشرکین کا قتل نہیں، بلکہ ایام فتنہ میں مسلمانوں کا باہمی قتل مراد ہے۔ صحابہؓ نے پوچھا! ہماری عقلیں کہاں چلی جائیں گی؟ آپ ﷺ نے جواب دیا! اس زمانے میں اکثر لوگوں کی عقلیں چھین لی جائیں گی''۔ (مسند احمد، ۴/۴۱۴)

مسلم سماج میں یہ قتل و خون ریزی اسقدر عام ہو جائے گا کہ نہ تو قاتل کو پتہ ہوگا کہ اس نے کیوں قتل کیا اور نہ مقتول کو کہ وہ کیوں قتل کیا گیا؟ پوچھا کہ ایسا کیوں ہوگا؟ آپ ﷺ نے فرمایا!''وہ ایام قتل کے ہوں گے اور قاتل و مقتول دونوں جہنم میں جائیں گے۔ (صحیح مسلم، ۳۵/۱۸)

۲۳: زمانے کا قریب ہو جانا: ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا! ''قیامت اسوقت تک واقع نہ ہوگی جبتک کہ زمانہ قریب نہ ہو جائے'' (صحیح بخاری، کتاب الفتن ۱۳/۸۱)

ابو ہریرہؓ ہی سے ایک دوسری روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:''قیامت اسوقت

تک واقع نہ ہوگی جبتک کہ زمانے کے فاصلے قریب نہ ہو جائیں چنانچہ سال مہینے کی طرح ہو جائے گا اور مہینہ جمعہ کی مانند اور جمعہ ایک دن کی طرح اور ایک دن ایک گھنٹہ کی طرح ہو جائے گا۔

زمانے کے قریب ہونے سے کیا مراد ہے اس سلسلے میں علماء کی چار رائیں ہیں۔

۱: زمانے کی برکت کا اٹھ جانا۔

۲: اس سے مراد مہدی اور عیسیٰ کا زمانہ ہے عیش و رفاہیت کے عام ہونے فارغ البالی اور خوشحالی کی وجہ سے لوگ ان ایام کو مختصر محسوس کریں گے۔

۳: زمانے کی قربت سے مراد ہوائی جہاز اور دیگر تیز رفتار موٹر گاڑیوں اور ٹرینوں کی وجہ سے زمانے کے فاصلے کا سمٹ جانا اور مسافتوں کا تیز رفتاری سے طے ہو جانا ہے۔

۴: زمانے کی قربت سے اس کا حقیقتاً چھوٹا اور مختصر ہونا ہے۔

۴۴: بازاروں کا قریب قریب ہو جانا: ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا!

”قیامت اسوقت تک واقع نہ ہوگی جب تک کہ فتنے ظاہر نہ ہو جائیں اور جھوٹ پھیل نہ جائے اور بازاریں قریب قریب نہ ہو جائیں“۔ (مسند احمد ۲/۵۱۹)

عصر حاضر کے مشہور عالم شیخ حمود التویجری کہتے ہیں کہ بازاروں کے قریب قریب واقع ہونے کی تفسیر بعض ضعیف حدیثوں میں انکی منفعت میں کمی سے کی گئی ہے۔ اور میری رائے یہ ہے کہ اس سے مراد جدید وسائل نقل و حمل اور ٹیلیفون کی سہولت کی بناء پر اشیاء کی نرخوں اور قیمتوں کے اتار اور چڑھاؤ کا فی الفور پوری دنیا میں پھیل جانا ہے۔

چنانچہ تاجر اپنے قریب کے شہروں میں کاروں کے ذریعہ اور دوسرے ملک کے بازاروں میں ہوائی جہاز کے ذریعہ چند گھنٹوں میں جا کر اپنی ضرورت پوری کر کے آ جاتا ہے۔ دنیا کے کسی بھی خطہ میں اگر کسی چیز کی قیمت میں اضافہ یا کمی واقع ہوتی ہے تو تاجروں کو عموماً یہ بات معلوم ہو جاتی ہے۔ اور وہ اس چیز کی قیمت میں اضافہ یا کمی کر دیتے ہیں۔ چنانچہ بازاریں تین پہلوؤں سے باہم قریب ہو گئی ہیں۔

۱: اشیاء کے نرخوں میں اتار چڑھاؤ کا فی الفور علم۔

۲: ایک بازار سے دوسرے بازار تک چند گھنٹوں میں پہونچ جانا۔

۳: قیمتوں میں بازاروں کے درمیان مماثلت و قربت۔

(اتحاف الجماعۃ ۱/۳۹۸۔ ۳۹۹)

۴۵: امت مسلمہ میں شرک کا ظہور: حضرت ثوبانؓ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ”جب میری امت میں تلوار رکھ دی جائے گی تو تا قیامت اسے نہ اٹھایا جائے گا اور قیامت اس وقت تک نہ واقع ہوگی جبتک کہ میری امت کے بعض قبائل مشرکین سے نہ جا ملیں اور بعض دیگر بتوں کی عبادت نہ کرنے لگیں“۔ (سنن ابی داؤد مع عون المعبود ۱۱/۳۲۲)

علامہ البانی نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔

(صحیح الجامع الصغیر ۶/۱۷۴ حدیث رقم ۷۲۹۵)

ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا!

”قیامت اسوقت تک نہ واقع ہوگی جبتک کہ قبیلہ دوس کی بوڑھی عورتیں ذوالخلصہ نامی بت کے سامنے رقص نہ کرنے لگیں“۔ (صحیح البخاری حدیث رقم ۱۳/۷۱۱۶ کتاب الفتن)

ذوالخلصہ عہد جاہلیت میں قبیلہ دوس کا بت تھا جو طائف کے جنوب میں علاقہ زہران میں (رس نامی بستی کے پاس) ثروق نامی مقام پر ایک اونچے ٹیلے پر واقع تھا۔

اس حدیث میں واقع علامت ظاہر ہو چکی ہے چنانچہ اس بت کی پوجا عہد ترکی میں شروع ہو چکی تھی۔ اور حجاز پر آل سعود کے غلبہ کے بعد ملک عبدالعزیز بن عبدالرحمن آل سعود کے حکم سے اس بت کو توڑ دیا گیا اور اسکے نشانات مٹا دیئے گئے۔

دنیا کے مختلف خطوں میں اولیاء کی قبروں کی زیارت و عبادت عام ہو چکی ہے۔ قبروں پر سجدے کئے جاتے ہیں منتیں مانی جاتی ہیں۔ نذر و نیاز پیش کی جاتی ہے۔ سالانہ عرس اور محفلیں منعقد ہوتی ہیں اور متعدد مقامات پر واقع ان قبروں کی عبادت اسی طرح کی جاتی ہے جسطرح

مشرکین لات و عزیٰ کی عبادت کرتے تھے۔

شرک کے مظاہر بے شمار ہیں۔ قبر، درخت اور پتھروں تک ہی بات محدود نہ رہی بلکہ اللہ رب العزت کو چھوڑ کر انسانوں کو قانون سازی کا حق دے دیا گیا۔ اور بعض نے تو اسلام کو پس پشت ڈال کر لادینیت، اشتراکیت تک کو اختیار کر لیا اور پھر بھی یہ دعویٰ ہے کہ وہ مسلمان ہیں۔

۲۶: فحش باتوں کا ظہور اور قریبی رشتوں کا خاتمہ: عبداللہ بن عمروؓ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا! "قیامت اس وقت تک واقع نہ ہوگی جب تک ہر طرح کی قبیح خصلتیں ظاہر ہو جائیں اور باہمی قرابتوں اور رحمی رشتے توڑ دئیے جائیں اور پڑوسیوں کے ساتھ بدسلوکی عام نہ ہو جائے"۔ (مسند احمد ۱۰/۲۶)

امام طبرانی "حضرت انسؓ سے روایت کرتے ہیں کہ آپؐ نے فرمایا!" قیامت کی نشانیوں میں سے قبیح خصلتوں کا ظہور اور رحمی رشتوں کو توڑنے کا عموم ہے"۔ (مجمع الزوائد ۷/۲۸۴)

یہ دونوں نشانیاں بھی ظاہر ہو چکی ہیں۔ چنانچہ مسلم سماج میں عجیب و غریب بری خصلتیں پیدا ہو گئی ہیں اور رحمی رشتوں کا پاس و لحاظ چھوڑ دیا گیا ہے۔ رشتہ داروں کے درمیان تعلقات منقطع ہو گئے ہیں۔ رشتہ دار ایک ہی شہر میں رہتے ہوئے بھی مہینوں اپنے رشتہ داروں سے ملاقات نہیں کرتے۔ اور یقیناً یہ ایمان کی کمزوری ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرابتوں اور رشتہ داریوں کا پاس و لحاظ نہ رکھنے والوں پر لعنت فرمائی ہے۔ اور احادیث میں اس سلسلے میں شدید وعیدیں آئی ہیں۔

ایک حدیث میں ہے کہ آپؐ نے فرمایا! "جنت میں کوئی ایسا شخص داخل نہ ہوگا جو اپنے رحمی رشتوں کو کاٹے"۔ (صحیح مسلم ۱۶/۱۲۲)

۲۷: بوڑھوں کا نوجوان بننا: عبداللہ ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ آپؐ نے فرمایا! "آخری زمانے میں کچھ لوگ ایسے ہوں گے جو اپنی داڑھیوں اور بالوں میں کالا خضاب لگائیں گے ایسا لگے گا گویا ان کی داڑھیاں کبوتر کے ڈِل ہوں یہ لوگ جنت کی خوشبو بھی نہ پائیں گے۔ یہ

نشانی بھی عام ہو چکی ہے۔ کتنے ہی مسلمان ہیں جو ٹھوڑیوں کے علاوہ رخسار پر پھیلے ہوئے داڑھی کے بالوں کو حلق کرا دیتے ہیں۔ اور پھر چھوٹے ہوئے بالوں کو کالے رنگ سے رنگ دیتے ہیں جس سے ایسا لگتا ہے گویا یہ کبوتر کے ڈِل ہوں۔

علامہ ابن الجوزی کہتے ہیں شاید یہ کالا خضاب انکی خاص صفت ہوگی اور جنت کی خوشبو نہ پانا کسی اور گناہ کے سبب ہوگا کیونکہ خضاب لگانا حرام نہیں ہے۔ البتہ ان لوگوں کی یہ خاص علامت ہوگی جیسے حدیثوں میں خوارج کی علامت سروں کو منڈوانا بتایا گیا ہے۔ اگرچہ منڈوانا حرام نہیں ہے۔ (الموضوعات جلد ۳/۵۵)

لیکن علامہ ابن الجوزی کی یہ تاویل صحیح نہیں کیونکہ کالے رنگ کا خضاب لگانا صحیح حدیثوں سے ممنوع ہے۔ ابو قحافہؓ جب فتح مکہ کے موقعہ پر آپؐ کے پاس لائے گئے تو انکے سر اور داڑھی کے بال بالکل سفید تھے تو آپؐ نے فرمایا کہ اس رنگ کو بدل دو البتہ کالے رنگ سے اجتناب کرو۔ (صحیح مسلم، کتاب اللباس)

۲۸: بخل و حرص کی شدت: ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ آپؐ نے فرمایا! "قیامت کی نشانیوں میں سے بخل و حرص کا عمومی ظہور بھی ہے"۔ (فتح الباری ۱۳/۱۵)

صحیح بخاری میں ہے "زمانہ قریب ہو جائے گا اور عمل میں کمی واقع ہو جائے گی اور دلوں میں شدید بخل ڈال دیا جائے گا"۔ (کتاب الفتن ۱۲/۱۳)

حرص و آز اور شدتِ بخل ایک مذموم صفت ہے۔ اسلام نے اس سے منع فرمایا ہے کیونکہ اس سے مختلف برائیاں جنم لیتی ہیں بلکہ تمام برائیوں کا منبع و سرچشمہ بخل و حرص ہی ہے۔ وہ شخص کامیاب و کامران ہوگا جس نے اپنے نفس کو بخل و حرص سے بچا لیا۔ سورۃ الحشر میں ہے

"ومن یوق شح نفسه فأولئك هم المفلحون" (آیت رقم/۹)

جو لوگ اپنے نفس کے بخل سے بچا لئے گئے وہی کامیاب ہوں گے۔

۲۹: تجارت کی کثرت: عبداللہ بن مسعودؓ سے مروی ہے کہ آپؐ نے فرمایا! "قیامت

سے پہلے چند نشانیاں ظاہر ہوں گی صرف خاص لوگوں کو سلام کرنا، اور تجارت کا اسقدر عام ہو جانا کہ عورت مرد کی تجارت میں معاونت کرنے لگے"۔ (مسند احمد ۳۳۳/۵)

نسائی کی روایت ہے کہ آپؐ نے فرمایا! "مال کا عام ہو جانا اور تجارت کی کثرت قیامت کی نشانیوں میں سے ہے"۔ (۲۴۴/۷)

قیامت کی یہ نشانی واقع ہو چکی ہے۔ تجارت ہر خاص و عام کرنے لگا ہے عورتیں بھی تجارت میں مردوں کی معاون و شریک بن گئی ہیں۔ لوگ مال کو سمیٹنے اور جمع کرنے کے فتنے میں مبتلا ہیں۔ اور اس امت کی سب سے بڑی آزمائش یہی ہے کہ مال کی محبت نے ہی ایک دوسرے سے بغض و حسد میں مبتلا کر دیا ہے۔ اور دنیاوی امور میں ایک دوسرے سے مسابقت کے جذبے نے انکے اتحاد کو پارہ پارہ کر دیا اور امت بے وزن اور کھوکھلی ہو گئی۔

۳۰: زلزلوں کی کثرت: ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ آپؐ نے فرمایا! "قیامت اسوقت تک واقع نہ ہو گی جبتک کہ زلزلوں کی کثرت نہ ہو جائے"۔ (صحیح بخاری، کتاب الفتن ۸۱/۱۳۔۸۲)

زلزلوں کی کثرت سے مراد زمین کے ہر خطے میں اس کا وقوع و دوام اور تسلسل سے اس کا ظہور ہے۔ (دیکھئے مسند احمد ۳۸۸/۵)

۳۱: صورتوں کا مسخ ہو جانا: حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ آپؐ نے فرمایا! "اس امت کے آخری عہد میں زمینیں دھنس جائیں گی اور صورتیں مسخ کر دی جائیں گی"۔ میں نے پوچھا! اے رسول خدا کیا ہم ہلاک کر دیے جائیں گے درانحالیکہ ہم میں ابھی نیک لوگ باقی ہوں گے؟ آپؐ نے جواب دیا ہاں برائیاں عام ہو جائیں گی تو ایسا ہو گا"۔ (ترمذی، کتاب الفتن، ۳۱۸/۶)

مسند احمد ترمذی کی روایت کے مطابق اہل قدر اور زنادقہ کی صورتیں حقیقتاً مسخ کر دی جائیں گی"۔ (۳۷۹/۷، حدیث رقم: ۶۲۰۸)

اور آخری زمانے میں جا بجا زمینیں دھنسا دی جائیں گی تا کہ لوگ اس سے عبرت و

نصیحت حاصل کریں اور اپنے رب کی طرف انابت اختیار کریں۔

بعض حدیثوں میں گنہگاروں اور شرابیوں کی صورتوں کے مسخ کا بھی تذکرہ آیا ہے۔ عمران بن حصینؓ روایت کرتے ہیں کہ آپؐ نے فرمایا! "اس امت میں صورتوں کو مسخ کر دیا جائے گا اور علاقے دھنسا دیے جائیں گے۔ ایک شخص نے پوچھا اے رسول خدا یہ کب ہو گا؟ آپؐ نے جواب دیا جب ناچ گانے والیوں کی کثرت اور شراب عام ہو جائے گی"۔

(جامع الترمذی، ۲۵۸/۶، حدیث رقم: ۲۵۸)

ابو مالک الاشعریؓ روایت کرتے ہیں کہ آپؐ نے فرمایا! "میری امت کے بعض لوگ شراب کا نام بدل کر اسے پئیں گے، اللہ تعالیٰ انہیں زمین سمیت دھنسا دے گا اور ان میں سے بعض کو سور اور بندر بنا دے گا"۔ (سنن ابن ماجہ، ۱۳۳۳/۲، حدیث رقم ۴۰۲۰)

مسخ سے کیا حقیقی مسخ مراد ہے یا معنوی، علماء کی دونوں رائیں ہیں۔ بلکہ صحیح یہ ہے کہ دونوں ہی مراد ہیں۔ مسخ معنوی سے مراد گنہگاروں کے دلوں اور ان کے ضمائر کا مردہ ہو جانا ہے۔

☆☆☆☆☆☆

☆☆☆☆☆

مقالات

خودکش حملوں کی شرعی حیثیت

ڈاکٹر محمد موسیٰ الشریف

خودکش حملہ انتہائی مقدس بلکہ جہاد کی اعلیٰ وارفع ترین شکلوں میں سے ایک ہے، اس کی مشروعیت کے دلائل درج ذیل ہیں۔

(۱) ''ومن الناس من یشری نفسہ ابتغاء مرضات اللہ واللہ رؤوف بالعباد'' (سورۃ البقرۃ:۱۹۵)

اس آیت کا سبب نزول یہ ہے کہ صہیب رضی اللہ عنہ نے جب مدینہ ہجرت کی راہ لی تو قریش کے چند افراد نے آپ کا پیچھا کیا، آپ نے اکیلے تنہا ان سے لڑنے کا ارادہ کیا اور پھر مال پر ان سے مصالحت کر لی، جب آپ مدینہ پہونچے تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''اے ابو یحییٰ! تجارت نفع بخش رہی، اور آپ کے اس عمل کی تعریف اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کی اس آیت میں فرمائی تو اگر اکیلے تنہا دشمن سے لڑنا جائز نہ ہوتا تو اللہ تعالیٰ ان کے اس عمل کی ستائش نہ کرتے۔''

عہد فاروقی میں حضرت عمر رضی اللہ نے اسی آیت سے خودکش حملے کے جواز پر استدلال کیا تھا، ابن ابی شیبہ مدرک بن عوف الاحمسی سے روایت کرتے ہیں، وہ فرماتے ہیں میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی مجلس میں بیٹھا ہوا تھا کہ النعمان بن مقرن کا قاصد آپہونچا تو عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے لوگوں کی خیریت پوچھی، اس نے جواب دیا، فلاں اور فلاں شہید ہو گئے اور کچھ دیگر بھی جنہیں میں نہیں جانتا، تو عمر نے کہا لیکن انہیں اللہ جانتا ہے پھر اس نے کہا اے امیر المومنین ایک شخص نے میدان کارزار میں آخرت کے عوض اپنی جان کو فروخت کر دیا تو مدرک نے کہا اے امیر المومنین وہ میرے خالو تھے، لوگوں کا خیال ہے کہ انھوں نے اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈال دیا تو اس پر عمر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا لوگ غلط کہہ رہے ہیں، وہ تو ان لوگوں میں

جا شامل ہوئے جنھوں نے دنیا کی زندگی کے ذریعہ آخرت خرید لی ہے۔

ابن حاتم مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں، کہ ہم ایک غزوہ میں صفیں لگائے کھڑے تھے کہ ایک شخص آگے بڑھ کر تنہا دشمن کی صفوں میں گھس گیا اور دشمنوں کو قتل کرتے ہوئے شہید ہو گیا۔ لوگ کہنے لگے اس نے خود سے اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈال دیا ہے، اس مسئلے کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا تو آپ نے جواب دیا، لوگوں کا خیال درست نہیں وہ تو ان لوگوں میں سے ہے جن کی تعریف خدا نے یوں فرمائی ہے۔

"ومن الناس من یشری نفسہ ابتغاء مرضات اللہ" (سورۃ البقرۃ:۲۰۷)

ابن ابی شیبہ محمد بن سیرین کے واسطے سے روایت کرتے ہیں کہ مشرق کی جانب سے دشمن کا ایک دستہ نمودار ہوا، ایک انصاری نے انھیں دیکھا تو اکیلے ان پر حملہ کر دیا اور صفوں کو چیرتے ہوئے اس پار نکل گئے اور پھر پلٹ کر انھوں نے اسی طرح دو یا تین بار حملہ کیا تو اس واقعہ کو دیکھ کر سعد بن ہاشم نے ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ کے سامنے اس آیت کی تلاوت کی: ''ومن الناس من یشری نفسہ ابتغاء مرضات اللہ"

دوسری دلیل اللہ تعالیٰ نے طالوت اور ان کے ساتھیوں کا تذکرہ ستائش و تعریف کے سیاق میں کیا ہے درانحالیکہ ان لوگوں نے تنہا دشمنوں پر حملہ کیا تھا۔

ان کی تعداد صرف تین سو تیرہ اور دشمن کی فوج ۹۰ ہزار یا اس سے بھی زائد تھی ظاہر ہے اس حملے میں ہلاکت کے آثار بالکل نمایاں تھے۔

تیسری دلیل معاذ بن عفراء رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ سے پوچھا کہ بندے کا کون سا عمل اللہ کو خوش کرتا ہے، تو آپ ﷺ نے جواب دیا، بلا زرہ پہنے ہوئے دشمن کی صفوں میں گھس جانا، اس پر معاذ رضی اللہ عنہ نے اپنی زرہ اتار پھینکی اور جہاد کرتے ہوئے شہید ہو گئے۔

چوتھی دلیل ابو الدرداء رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا: تین طرح کے لوگ اللہ کو محبوب ہیں اور اللہ ان سے خوش ہوتا ہے، ایک وہ شخص جو میدان جنگ میں

دشمنوں کے پیچھے ہٹ جانے کے باوجود ڈٹا رہے تا آنکہ وہ شہید ہو جائے یا اللہ تعالیٰ کی تائید ونصرت اسے حاصل ہو، تو اللہ تعالیٰ کہتا ہے کہ اس عظیم شخص کو دیکھو کیسے اس نے میری خاطر اپنے آپ کو میدان جنگ میں جمائے رکھا، دوسرا وہ شخص جو نرم ونازک بستر اور حسین وجمیل عورت کو چھوڑ کر شب بیداری کرے اور تہجد پڑھے ہو، اللہ تعالیٰ کہتا ہے اس شخص نے میری خاطر اپنی شہوت کو چھوڑ کر رات بھر جاگتا رہا اگر چاہتا تو رات بھر محوِ خواب رہتا، تیسرا وہ شخص جو سفر میں قافلے کے ساتھ ہر طرح کے حالات میں قیام اللیل کا اہتمام کرے۔" "المعجم الکبیر للطبرانی"

پانچویں دلیل عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں اللہ تعالیٰ دو طرح کے افراد سے خوش ہوتا ہے ایک وہ شخص جو اپنے بستر ولحاف کو چھوڑ کر راتوں میں نماز پڑھتا ہے تو اللہ تعالیٰ کہتا ہے میرے اس بندے کو دیکھو جس نے میرے ڈر اور ثواب کی امید میں اپنے بستر ولحاف اور اہل وعیال کو چھوڑ کر نماز کے لئے اٹھ کھڑا ہوا ہے اور دوسرا وہ شخص جس نے اللہ کی راہ میں جہاد کیا اور اپنے ساتھیوں کے پیچھے بھاگ جانے کے باوجود بھاگنے کے شدید عذاب سے ڈر کر اور پلٹ کر حملہ کرنے کے عظیم ثواب کے حصول کے لئے خدا کی راہ میں اپنے خون کو بہادیا، تو اللہ تعالیٰ کہتا ہے میرے اس عظیم بندے کو دیکھو جس نے میرے ثواب وفضل کی امید میں اور میرے عذاب سے خوف کھا کر واپس پلٹ کر جنگ کی یہاں تک کہ اپنے خون کو بہادیا" (مسند احمد)

ابن النحاس الدمیاطی کہتے ہیں کہ اگر اس باب میں صرف یہی ایک صحیح حدیث ہوتی تو بھی خودکش حملے کے فضل وثواب کے اثبات کے لئے کافی ہوتی (مشارع الاشواق: ۱/۵۳۲)

ابن تیمیہ کہتے ہیں: غور کیجئے یہ شخص جس نے میدان جنگ سے فرار اختیار کرنے کے بعد واپس پلٹ کر لڑتے ہوئے اپنی جان قربان کر دی اللہ تعالیٰ اس سے کیسے خوش ہوتا ہے، اور اللہ کا اس کے اس عمل پر خوش ہونا اس عمل کی فضیلت اور اس کی عظیم قدر ومنزلت پر دلالت کرتا ہے، اس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ خودکش حملے نہ صرف جائز بلکہ اللہ تعالیٰ کو پسندیدہ اور محبوب ہے کیونکہ مذکورہ بالا صورت میں پلٹ کر حملہ کرنے والا عموماً مقتول ہوتا ہے۔ (قاعدہ فی الانغماس: ۵۴-۵۵)

چھٹویں دلیل ابوذر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: "تین طرح کے لوگ اللہ کو بے حد محبوب ہیں، ان میں سے ایک وہ ہے جو کسی ایسے دستہ میں ہو جس کی ملاقات دشمن سے ہوتی ہو اور پھر وہ دستہ شکست کھا کر پیچھے ہٹ گیا ہو لیکن وہ پھر آگے آ کر حملہ کرے یہاں تک کہ شہید کر دیا جائے یا اسے فتح حاصل ہو جائے۔

خودکش حملہ کے تئیں شبہات اور ان کا ازالہ خودکش حملوں کے منکرین کا سب سے بڑا شبہ قرآن مجید کی یہ آیت کریمہ ہے "ولا تلقوا بأیدیکم الی التهلکة" (البقرة/۱۹۵) اپنے ہاتھوں اپنے آپ کو ہلاکت میں نہ ڈالو، اور خودکش حملہ کرنے والا بذات خود اپنے آپ کو موت کے حوالے کرتا ہے لیکن آیت مذکورہ کی یہ تاویل درست نہیں، اس کی وضاحت ابوداؤد کی اس روایت سے ہوتی ہے ابو عمران کہتے ہیں، ہم شہر روم (قسطنطنیہ) کا محاصرہ کئے ہوئے تھے، رومیوں نے ایک زبردست لشکر نکالا، ان کے مقابلے کے لئے مسلمان بھی اتنے ہی یا ان سے زیادہ نکلے، شہریوں کے قائد عقبۃ بن عامر اور بقیہ لوگوں کی قیادت فضالۃ بن عبید کر رہے تھے، ایک مسلمان لشکر سے نکل کر رومیوں کی صف میں لڑتے ہوئے گھس گیا، اس پر مسلمان چیخ اٹھے، سبحان اللہ، اس شخص نے اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈال دیا، ابو ایوب الانصاری رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور کہا اے لوگو تم لوگ آیت کی یہ تاویل کر رہے ہو درانحالیکہ یہ آیت انصار کے بارے میں نازل ہوئی ہے جب اللہ تعالیٰ نے اسلام کو عزت دے دی اور اس کے پیروکار بڑھ گئے تو قبیلہ انصار کے بعض لوگوں نے ایک دوسرے سے کہا: یقیناً ہماری کھیتیاں اجڑ گئیں اور تجارتیں برباد ہو گئیں اور اللہ تعالیٰ نے اسلام کو عزیز وغالب بنا دیا ہے اور اس کے پیروکاروں کی تعداد بھی بڑھ گئی ہے لہٰذا اب ہم اپنے اموال کی فکر کریں اور ضائع شدہ امور کی اصلاح میں لگ جائیں، اس پر یہ آیت نازل ہوئی "ولا تلقوا بأیدیکم الی التهلکة" ہلاکت سے مراد اموال وتجارت کی اصلاح میں لگ جانا اور جہاد کو ترک کر دینا ہے چنانچہ ابو ایوب انصاری رضی اللہ برابر جنگ میں لگے رہے یہاں تک کہ قسطنطنیہ کے قریب ہی آپ مدفون

ہوئے۔

قاسم بن مخیمرہ آیت مذکورہ میں ''ہلاکت کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اس سے مراد راہ خدا میں خرچ نہ کرنا ہے، اور اگر کوئی شخص تنہا دس ہزار کے لشکر پر بھی حملہ کرے تو کوئی حرج نہیں۔ (مشارع الاشواق/۵۲۸)

ابن تیمیہ کہتے ہیں کہ ابو ایوب الانصاری رضی اللہ عنہ نے ان لوگوں کی رائے کو غلط قرار دیا جو تنہا دشمن کی صفوں میں گھس جانے کو ''لا تلقوا بأيديكم الى التهلكة '' کا مصداق سمجھتے تھے۔

آپ کی اس تفسیر کے مطابق تو آیت میں جہاد کا حکم اور ان چیزوں سے اجتناب کا حکم دیا گیا ہے جو مانع جہاد ہیں جب کہ منکرین اس آیت کی ایسی تاویل کر رہے ہیں جس سے جہاد معطل ہو جائے۔

فقہاء کا موقف: ابو حامد الغزالی کہتے ہیں فقہاء کا اس امر پر اتفاق ہے کہ ایک تنہا مسلم بھی دشمن کی صفوں میں گھس کر جہاد کر سکتا ہے اگر چہ اسے یہ علم ہو کہ وہ قتل ہو جائے گا البتہ اگر اسے یہ معلوم ہو کہ اس کے اس عمل سے دشمن کو کوئی نقصان نہیں پہنچے گا جیسے معذور اور اندھے شخص کا اپنے آپ کو دشمن کی صف میں ڈال دینا تو یقیناً ایسا کرنا حرام ہوگا اور اس کا یہ عمل آیت تہلکہ کے عموم میں داخل مانا جائے گا دشمن کی صفوں پر تنہا حملہ اس وقت جائز ہے جب اس شخص کو یہ یقین ہو کہ وہ کافروں کو قتل کرنے کے بعد شہید ہوگا یا اس کے اس جرأتمندانہ موقف سے کافروں کے حوصلے پست ہوں گے اور مسلمانوں کے دلوں میں جذبہ شہادت کی آبیاری ہوگی۔

(مشارع الاشواق: ۱/ ۵۵۷)

☆☆☆☆

☆☆☆☆

بحث ونظر

شیعہ اور احادیث

ابو عارض فلاحی

شیعہ کی لغوی تعریف: شیعہ کے لغوی معنی پارٹی اور گروہ نیز معاون و مددگار کے آتے ہیں۔ ''شیعۃ الرجل'' کے معنی آدمی کے مددگار اور پیروکار کے ہیں۔ البتہ عرف عام میں یہ لفظ صرف ان لوگوں کے لئے مخصوص ہو گیا جو حضرت علی اور اہل بیت کے معاون و مددگار ہیں۔

اصطلاحی تعریف: شیعہ امت مسلمہ کا وہ فرقہ ہے جو خلافت و امامت کو حضرت علیؓ اور انکی نسل کا موروثی حق مانتا ہے۔ اور شیخین اور حضرت عثمانؓ کی خلافت کو ناجائز تصور کرتا ہے۔ یہ بارہ اماموں کے قائل ہیں۔ اور اہل سنت کے مقابلے میں مخصوص افکار و نظریات ہیں۔

احادیث نبویہ کے تئیں ان کا موقف: شیعہ شیخین اور ان تمام صحابہ کو مجروح قرار دیتے ہیں جنہوں نے شیخین اور حضرت عثمانؓ کی خلافت کو تسلیم کیا۔ بعض ائمہ شیعہ کے نزدیک پندرہ صحابہ کے علاوہ باقیہ تمام ہی صحابہ غیر عادل ہیں۔ چنانچہ شیعہ صرف انہیں روایات کو مانتے ہیں جو شیعان علی کے واسطے سے مروی ہوں اور اس سلسلے میں انکے یہاں بنیادی اور عام قاعدہ یہ ہے کہ جس شخص نے بھی حضرت علیؓ کا ساتھ نہ دیا اس نے وصیت رسول کی خیانت کی اور ائمہ حق سے اختلاف کیا لہذا وہ ثقہ اور قابل اعتبار نہ رہا۔ البتہ شیعوں کا ایک فرقہ زیدیہ اس عقیدہ کا قائل نہیں۔

مذکورہ بالا قاعدہ کی بنیاد پر شیعہ جمہور صحابہ کی احادیث کو ضعیف و موضوع گردانتے ہیں۔ درانحالیکہ حضرت علیؓ اور امیر معاویہؓ کے نزاع میں شرکت ایک سیاسی معاملہ ہے اور روایات کے رد و قبول ہونے کا انحصار راوی کی صداقت و امانت یا کذب و نسیان پر ہے۔ جمہور صحابہ کرامؓ کی عدالت کو محض اس بناء پر مسترد کر دینا درانحالیکہ وہ کذب و خیانت سے پاک اور امانت و دیانت انکا خاصہ تھا غیر معقول ہے۔

یہ ایسے ہی ہے جیسے کسی ایسے وطنی لیڈر کے فضائل و مناقب کا انکار جس نے اپنے مال،

ظلم اور فسق کے ذریعہ استعمار کے خلاف جہاد کیا ہو اور ایک شاندار تاریخ رقم کی ہو تو کیا محض اس بناء پر کہ اس نے ایک سیاسی جماعت کی قیادت کی، اسکے فضائل کا انکار معقول ہے۔ اگر ایسا کرنا حق و انصاف کی رو سے ظلم اور تاریخ کی رو سے غلط ہے۔ تو بدرجہ اولیٰ بعض سیاسی مسائل میں شرکت کی بناء پر جمہور صحابہؓ کی عدالت کے اسقاط کا فیصلہ ظلم و جور پر مبنی ہوگا۔ اور انکی مرویات پر جرح ناجائز ہوگی۔

شرعی دلائل: شیعوں کے مذکورہ بالا موقف کی سب سے اہم دلیل حدیث غدیر خم ہے۔ بریدۃ بن الحصیب الاسلمی روایت کرتے ہیں کہ حجۃ الوداع سے واپسی کے موقع پر جب آپؐ نے غدیر خم کے پاس قیام کیا تو آپ ﷺ نے حضرت علیؓ کا ہاتھ پکڑ کر مسلمانوں سے یوں خطاب فرمایا! ''اے مسلمانو! کیا میں تمہاری جانوں کے مقابلے میں زیادہ محبوب نہیں ہوں؟ لوگوں نے جواب دیا کیوں نہیں۔ اس پر آپؐ نے فرمایا! میں جس کا مولیٰ ہوں علی بھی اسکے مولیٰ ہیں۔ اے خدا ان کی حمایت فرما جو حضرت علی کی حمایت کریں اور ان کی مخالفت کر جو انکی مخالفت کرے''۔ شیعہ کہتے ''مولیٰ'' ''اولیٰ'' کے معنی میں ہے۔ یعنی تصرفات کا زیادہ حقدار اور ظاہر ہے تصرفات کے مستحق ہونے کا مطلب امامت وخلافت کا استحقاق ہے۔ لیکن جمہور اہل لغت کا اس امر پر اتفاق ہے کہ مولیٰ ''اولیٰ'' کے معنی میں نہیں آتا ہے۔ صرف ابوزید نے ''مولیٰ'' کے ایک معنی ''اولیٰ'' کے ذکر کیے ہیں۔ ان کا استدلال ابوعبیدہ کی یہ تفسیر ہے کہ آپؐ نے ''ھی مولاکم'' کی تفسیر ''ای اولیٰ کم'' سے کی ہے۔

لیکن جمہور لغویوں نے اس رائے کو غلط قرار دیا ہے۔ وہ کہتے ہیں اگر اس تفسیر کو صحیح مان لیا جائے تو پھر فلاں اولیٰ منک کی جگہ فلاں مولیٰ منک کہنا صحیح قرار پائے گا۔ وار شو لیکہ یہ بالاتفاق باطل ہے۔ نیز اگر ''مولیٰ'' کو ''اولیٰ'' کے معنی میں لیا بھی جائے تو صلہ کی مذکورہ بالا تعیین کہاں سے آ گئی؟ ہوسکتا ہے آپ کی مراد تعظیم و محبت رہی ہو۔ ای فعلیؓ اولیٰ بالحبہ۔ یعنی علیؓ محبت کے زیادہ حقدار ہیں یا یہ مراد ہو۔ ''فعلی اولیٰ بالتعظیم'' یعنی علیؓ تعظیم کے زیادہ مستحق ہیں۔

اگر آپ ﷺ کا مقصود خلافت کا استحقاق تھا تو آپ ﷺ نے صاف صاف اس کا اظہار کیوں نہیں کر دیا۔ (مختصر التحفه الاثنی عشریه ص ۱٦۰)

نیز سند کے اعتبار سے بھی یہ حدیث اہل سنت کے نزدیک باطل و موضوع ہے۔

حدیث غدیر خم کا عقلی محاکمہ:

شیعوں کا یہ گمان ہے کہ مذکورہ بالا وصیت آپؐ نے بھرے مجمع میں علانیہ کی تھیں تو کیا یہ ممکن ہے کہ صحابہؓ کی اکثریت نے اس وصیت کو چھپا دیا ہو؟ غور کیجئے کیا صحابہؓ سے دین کے اتنے اہم اور بنیادی معاملے میں وارد اس امر کو چھپانا ممکن ہے۔ جبکہ دین کی تبلیغ و اشاعت کے لئے انکی شدید حرص اور حق کی اتباع کے لئے ان کا شدید جذبہ محتاج بیان نہیں ہے۔ جب کہ عورتوں کی مہروں کی تعیین اور بیٹھ کر خطبہ جمعہ جیسے معمولی مسائل میں صحابہؓ نے کھڑے ہو کر علانیہ اپنے امراء کو متنبہ کی اور انکی غلطی کو واضح کیا تو یہ کیسے ممکن ہے کہ صحابہؓ نے ایک ایسی وصیت کو چھپا دیا ہوں جسے آپؐ نے جملہ صحابہؓ کو کیا تھا۔ اور جس میں آپؐ نے اپنے بعد ہونے والے خلیفہ کی تعیین کر دی تھی۔

یہ بات معلوم ہے کہ رسول ﷺ کی عمداً مخالفت فسق و گناہ ہے۔ تو آخر جب جملہ صحابہؓ نے آپ کی اس وصیت کے متعلق غلط بیانی سے کام لے کر فسق و عصیان کا ارتکاب کر ڈالا تو ہم اس پوری شریعت کے تئیں مطمئن کیسے ہو سکتے ہیں جو انہیں کے واسطے سے مروی ہے؟ کیا آپؐ کے مقام نبوت سے یہ بات میل کھاتی ہے کہ آپ کے جملہ صحابہ جھوٹے اور مکار ہوں اور سبھی نے حق کو چھپانے اور اپنے ساتھی سے دشمنی قائم کرنے پر اتفاق کر لیا ہو؟

(السنۃ ومکانتھا فی التشریع الاسلامی: ۱۳۲)

صحاح ستہ اور شیعہ: شیعہ جمہور امت کے ذریعہ مدون صحیفوں کو غیر معتبر مانتے ہیں۔ وہ صحاح ستہ کی صرف ان روایات کو تسلیم کرتے ہیں جنکی روایت ائمہ بیت یا شیعان علی نے بھی کی ہو۔ وہ صحاح کے بجائے درج ذیل کتب اربعہ کو تسلیم کرتے ہیں۔

۱: الاستبصار فی ما اختلف من الاخبار: ابوجعفر محمد بن الحسن بن علی الطوسی۔ یہ کتاب ۵۵۱۱ حدیثوں پر مشتمل ہے۔

۲: تہذیب الاحکام۔ للطوسی۔ یہ کتاب تین سو ترانوے ابواب اور ۱۳۵۹۰ حدیثوں پر مشتمل ہے۔

۳: کتاب من لایحضرہ الفقیہ۔ ابو جعفر بن محمد بن علی بن الحسین بن موسیٰ بن بابویہ القمی۔

۴: الکافی: الکلینی۔

شیعوں کے یہاں مردود حدیثیں: ۱۔ احادیث مسح علی الخفین: مسح علی الخفین سے متعلق حدیثیں متواتر ہیں۔ تقریباً اسی صحابہؓ سے یہ روایت مروی ہے۔ شیعہ ان جملہ روایات کو ضعیف و موضوع مانتے ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ حضرت علیؓ نے بعد میں مسح علی الخفین سے رجوع کر لیا تھا۔ (اوجز المسالک ۱/۵۷)

۲: تحریم متعہ کی احادیث: متعہ ابتداء میں جائز تھا بعد میں منسوخ ہو گیا۔ مشہور حدیث ہے۔ عن علیؓ قال: نهى رسول الله ﷺ عن المتعة عام خيبر ۔ (صحیح بخاری باب (۳) کتاب النکاح، حدیث رقم ۵۱۱۵)

علی بن ابی طالبؓ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے خیبر کے سال متعہ سے منع فرمایا۔ شیعہ ان احادیث کو ضعیف مانتے ہیں انکے یہاں اب بھی متعہ مشروع ہے۔ متعین وقت گذارنے کے بعد عورت دو حیض اور متوفی عنہا زوجہا کی چار مہینہ دس دن ہے۔

(سبل السلام ج ۳/ص ۲۶۶)

۳: ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے علاوہ مسجد نبوی کے جملہ دروازوں کو بند کرنے کا حکم۔

عن ابی سعید الخدریؓ قال "لايبقين في المسجد باب الاسُدَّ الا باب ابی بکر۔ (بخاری، کتاب فضائل الصحابہ، ۳۶۵۴)

آپ ﷺ نے فرمایا! ''مسجد نبوی میں کھلنے والے جملہ دروازے بند کر دیے جائیں سوائے ابوبکر صدیقؓ کے دروازے کے''۔

شیعہ اس حدیث کو موضوع مانتے ہیں درانحالیکہ اہلِ سنت کے نزدیک یہ مستند اور صحیح ترین روایت ہے۔

☆☆☆☆

بحث ونظر

ہنگرین مسلمان

شاہ عالم فلاحی

یہ ایک روشن حقیقت ہے کہ استشراق کے بہت سے چہرے ہوتے ہیں اور مغربی ممالک میں اسلام کی شکل وصورت کو بگاڑ کر پیش کرنے میں انہوں نے زبردست رول ادا کیا ہے لیکن یہ ایک صداقت پرمبنی بات ہے کہ بعض مستشرقین جنہوں نے اسلام کا مطالعہ معروضی انداز سے کیا ہے انہوں نے اسلام کی تصویر اپنے معاشرے میں بغیر کسی کذب وافتراء کے پیش کیا ہے۔ اس طرح غیر مسلمین میں اسلام کا تعارف اور اسکی دعوت کو انہوں نے بطریقۂ احسن پہونچایا ہے ایسے ہی مستشرقین کی فہرست میں Robert Shimson کا نام بھی محفوظ ہے جنہوں نے اسلام کی حقیقی اور سچی تصویر اپنے زورِ قلم سے اہلِ مغرب اور غیر مسلمین کے اندر پیش کی ہے۔ آپ کا تعلق سرزمین ہنگری سے ہے۔

سوال: سب سے اہم کتاب کون ہے جس کا آپ نے ہنگری زبان میں ترجمہ کیا ہے؟ عربی مطالعات اور اسلام کے تعلق سے وہ کون سی نمایاں اور عمدہ کتابیں ہیں جنہیں آپ زیرِ تحریر لا چکے ہیں؟

جواب: میں نے قرآن شریف کے ترجمہ کا کام ہنگری زبان میں انجام دیا ہے، میں نے یہ کام ۱۹۶۰ء میں شروع کیا تھا۔ اور یہ کام ۱۹۸۷ء میں پایۂ تکمیل کو پہنچا تھا۔ اس کام کو مکمل ہونے میں تقریباً بیس سال کا طویل وقت لگا تھا۔ میں نے ان مستشرق زبانوں پر بھی مطالعہ کیا جن کے زیادہ شعبے عربی یا فارسی زبانوں میں تھے۔ یہ "Work" کام میں نے انجام دیئے تھے جب میں "Buda Pest" بوداپسٹ یونیورسٹی میں پروفیسر تھا۔ مصر کی ازہر یونیورسٹی میں، میں نے قرآن اور اسکی تفسیر پر مطالعہ کیا تھا۔ اور مصر کے قیام کے دوران میں نے کتابیں بھی لکھیں تھیں۔

جن کا موضوع تھا۔ "ہنگری کی سرزمین میں اسلامی ارتقاء"۔

اور کتابیں زیادہ تر انگریزی اور فرانسیسی زبانوں میں، میں نے مرتب کیں۔ اس یمنی "Yemni" مسودہ پر بھی میں نے کچھ مطالعہ اور تحقیقی کام کیا تھا جس کی اشاعت پچاس اور ساٹھ کی دہائیوں میں ہوئی تھی۔

میرے پی ایچ ڈی کا موضوع تھا "مکھن کی تجارت اور اسلام سے اس کا تعلق" اور یہ کام ایک کتابی شکل میں ہنگری اور فرانسیسی زبان میں شائع ہوئی تھی۔

سوال: اسلام اور مسلمان ہنگری کی سرزمین میں کس مقام پر کھڑے ہیں؟

جواب: اس ملک میں اسلام کو سرکاری مذہب کی حیثیت حاصل ہے۔ مسلم جماعت کی تعداد تقریباً ۶۰ ہزار سے زیادہ تھی جو ہنگری میں ہجرت کر کے پہنچی تھی، ان کی اکثریت عربوں اور مسلم ممالک کے باشندوں پر مشتمل تھی۔ دس سال قبل انکی تعداد دس ہزار سے بھی کم تھی۔ لیکن آج الحمد للہ انکی تعداد اطمینان بخش ہے۔ ان کی اپنی مساجد بھی ہیں اور ہنگری کی حکومت انھیں بعض رعایت بھی دے رہی ہے۔ انکے اپنے بچوں کے الگ سے دو عدد پارک بھی ہیں اور کنڈرگارڈن بھی ہیں۔ (ایسے اسکول جہاں بہت چھوٹے بچوں کے لئے تعلیم کے ساتھ کھیل کود تفریح اور دیگر ہنر بھی سکھائے جاتے ہیں)۔ اور انکے ایسے مدرسے بھی ہیں جہاں مسلم بچوں کو عربی تعلیم دی جارہی ہے۔ بلاشبہ یہاں کے مسلمان اپنے بچوں کو اسلام کے مبادیات اور انکی تعلیم دلانے کے ضمن میں کافی سرگرم ہیں۔

سوال: وہ اہم مسائل و پریشانیاں کون سی ہیں، جس سے اس ملک کے مسلمان دوچار ہیں؟

جواب: مسلمان اس سرزمین کے ایسے ہی باشندے ہیں جیسے دوسرے قومیت کے لوگ ہیں اور ان مسلمانوں کے خاندان بھی یہیں کے شہری بن گئے ہیں۔ ان کے سامنے وہی چیلنجز ہیں جس سے اس سرزمین کے دوسرے تمام باشندے دوچار ہیں۔ یہاں کی حکومت مسلمانوں کو پورے طور سے آزادی دے رکھی ہے اور یہ لوگ اپنے مذہبی رسومات کی بغیر کسی رکاوٹ کے ادا کر سکتے ہیں۔ اسلامی علوم اور عربی زبان کی تعلیم و تشریح کے لئے ان کے اپنے مدرسے بھی ہیں۔ اس ملک

کی مسلم کمیٹی کا رشتہ سعودی حکومت سے بہت پائیدار ہے۔ اس سرزمین کے مسلم طلباء کو سعودی یونیورسٹی میں داخلہ ملتا ہے۔ اور انکو وظیفے بھی دیئے جاتے ہیں۔ یہاں کا مسلم نوجوان اپنے مذہب سے بخوبی آشنا ہے، خصوصاً ایسے طلباء جو سعودی یونیورسٹی میں زیر تعلیم ہوتے ہیں۔ ان کے فارغین مسلمانوں کو اپنے مذہب سے بخوبی واقفیت بہم پہنچانے میں نہایت اہم کردار ادا کر رہے ہیں۔ یہ لوگ مدرسوں میں بچوں کو تعلیم بھی دیتے ہیں اور مساجد کے اندر تقریریں اور خطبے بھی دیتے رہتے ہیں۔

سوال: آپ کو اسلام کی کس چیز نے زیادہ متاثر کیا ہے؟

جواب: اسلام اور مسلمان کے اندر بہت سی ایسی اعلیٰ خصوصیات ہیں جو مجھے بہت عزیز ہیں۔ اسلام نے مختلف جہت سے مجھ کو متاثر کیا۔ لیکن میرے نزدیک اسلام کی سب سے نمایاں اور اعلیٰ صفت اس کی "سچائی" کی تعلیم ہے۔ اسلام ہمیشہ اور ہر حال میں سچ بات کہنے کی تلقین کرتا ہے۔ غریبوں کی مدد اور ایفاء عہد پر اسلام کی نمایاں اور نہایت موثر تعلیمات ہیں۔ اسلام کے دور اولین کی تاریخ مجھے نہایت عزیز ہے، جب اسلام نہایت طاقت و قوت کا حامل تھا اور اسلامی امت کا تسلط تمام عالم پر محیط تھا۔ میں نے اپنے بعض خطبات میں حضرت عمرؓ امیر المومنین (ثانی) کے دور کے شورائی نظام پر روشنی ڈالی ہے۔ یقیناً ان کے ہاتھوں شورائی نظام کا قیام موجودہ دور کے جمہوری نظام سے ہزار ہا درجہ بہتر اور عمدہ تھا۔

میں نے اسلامی تاریخ کا موازنہ لاطینی تاریخ سے کیا تو میں نے محسوس کیا کہ اسلامی تہذیب و ثقافت دنیا کے دیگر تمام ہی ادیان کی تہذیب و ثقافت سے بلند و بالا اور شاندار ہے۔

["الدعوۃ" سے ماخوذ]

☆☆☆

☆☆☆

بحث ونظر

پردہ

ایک تقابلی مطالعہ

اے۔ ایچ۔ نعمانی

ترجمہ: عبدالرحمٰن زریاب فلاحی

پانچ سال قبل ۳؍جولائی ۱۹۹۰ء کی The toranto star کی اشاعت میں Gwynne Dyer کا مضمون: ''اسلام ہی قابل تعظیم عقائد کے معاملے میں یکتا نہیں ہے۔'' کا میں نے مطالعہ کیا تھا، اس کے اندر عورت اور طاقت کے موضوع پر Montreal میں منعقد کانفرنس کے شرکاء کا مساوات نسواں کی علمبردار مشہور مصری حامی وڈاکٹر Nawal Saadwi کے تنقیدی آراء کے خلاف شدید ردعمل کا اظہار ہے ڈاکٹر صاحبہ کے سیاسی طور پر غلط بیانات حسب ذیل ہیں:

''عورتوں کی آزادی کو سب سے زیادہ محدود کرنے والے عناصر سب سے پہلے یہودیت کے اندر عہد نامہ عتیق میں ملتے ہیں اس کے بعد عیسائیت میں اور پھر آخر میں قرآن کے اندر'' سبھی مذاہب سرقبائلی ہیں کیونکہ ان کی اصلی شکل اور ابتداء سرقبائلی معاشرے کی شکل وصورت میں ہوئی تھی'' اور ''عورتوں کا نقاب یا پردہ کوئی مخصوص اسلامی عمل نہیں ہے بلکہ یہ ایک قدیم تہذیبی ورثہ ہے جس کی مثالیں دوسرے مذاہب میں بھی موجود ہیں''

شرکائے کانفرنس نے جب دیکھا کہ اسلام کو ان کے مذہب کے ہم پلہ وہم مرتبہ بتایا جارہا ہے تو صبر نہ کرسکے نتیجۃً ڈاکٹر Saadwi پر تنقیدوں کی بوچھار ہوئی۔ ''ماؤں کی عالمی تحریک'' کے رہنما Bernice Dubois نے بآواز بلند نعرہ لگایا کہ ''ڈاکٹر Saadwi کی آراء نا قابل قبول ہیں۔ ان کے جوابات اس راز کے غماز ہیں کہ انہیں دوسرے لوگوں کے عقائد کی صحیح معرفت نہیں ہے'' نیٹ ورک برائے اسرائیلی خواتین کے وکیلہ Alice Shalvi نے کہا'' میں تو

ضرور اس کے خلاف احتجاج کروں گا کیونکہ یہودیت میں پردہ کا کوئی تصور ہی نہیں ہے'' مضمون نے ان شدید احتجاجات کو مغرب کے اندر پائے جانے والے اس غالب رجحان کی طرف منسوب کیا جس کے مطابق اسلام کو ان اعمال کے لئے بھی قربانی کا بکرا بنایا جاتا ہے جو خود مغرب کے تہذیبی ورثے کا جزء لاینفک ہوتے ہیں، لہٰذا Gwynne Dyer نے لکھا کہ ''عیسائی اور یہودی حامیان مساوات نسواں مزید اس مجلس میں بیٹھنے کے لئے تیار نہیں تھیں جہاں انہیں بھی ظالم مسلمانوں کے زمرے میں رکھا گیا تھا''

مجھے اس پر ذرا بھی تعجب نہیں ہوا کہ شرکائے کانفرنس نے اسلام کے متعلق خصوصاً جب کہ مسائل نسواں زیر بحث ہوں، اس قدر منفی نقطۂ نظر قائم کیا، کیونکہ مغرب میں اسلام کو عورت کی حد درجہ ماتحتی کا نشان تصور کیا جاتا ہے، یہ تصور ان کے اندر اس قدر راسخ ہے کہ صرف یہ بیان کردینا میرے لئے کافی ہوگا کہ ابھی حال میں فرانس کے وزیر تعلیم نے فرانس کے اسکولوں سے ان نوجوان مسلم طالبات کا اخراج کردیا جو پردہ کا استعمال کرتی تھیں۔

فرانس کے اندر سر کا دوپٹہ استعمال کرنے والی مسلم طالبہ اپنے حق تعلیم سے محروم ہے جب کہ اس کے برخلاف صلیب کا استعمال کرنے والی کیتھولک طالبہ یا Skullcap (یہ ایک چھوٹی گول ٹوپی ہے جس کو آج کل عبادت کے وقت کوئی یہودی پہنتا ہے یا جس کا استعمال کیتھولک راہب کرتے ہیں) کا استعمال کرنے والی یہودی طالبہ کے ساتھ ایسا نہیں ہوتا، فرانسیسی پولیس کا سر کا دوپٹہ استعمال کرنے والی مسلم طالبات کو ہائی اسکول میں داخلے سے روکنے کا منظر بلا شبہ ناقابل فراموش ہے، فرانسیسی پولیس کے مذکورہ عمل سے ایک دوسرے بالکل ایسے ہی شرمناک منظر کی یادیں ذہن میں تازہ ہوجاتی ہیں جب ۱۹۶۲ء میں Alabama کے گورنر George Wallace نے ایک اسکول کے گیٹ پر کھڑے ہوکر حبشی طلبہ کو ممنوع الدخول قرار دینے کی کوشش کی تاکہ Alabama کے اسکولوں کے نسلی امتیاز وتفوق کو برقرار رکھا جاسکے، مذکورہ دونوں مناظر کا فرق یہ ہے کہ حبشی طلبہ کو u.s اور پوری دنیا کے بہت سے لوگوں کی ہمدردی حاصل تھی، صدر Kennedy نے تو u.s کے National Guard کو حبشی طلبہ کے داخلے لازمی قرار دینے کے لئے بھیجا، اس کے برعکس مسلم طالبات کو کہیں سے کوئی تعاون حاصل نہیں ہوا،

ایسا کیا ... نہ تو اندرون فرانس اور نہ ہی بیرون ان کے مسائل سے کوئی بھی ذرا سی ہمدردی کا مظاہرہ کرتا ہے، وجہ یہ ہے کہ اسلام کے متعلق ہر سو غلط فہمی پائی جاتی ہے اور ہر وہ چیز جو اسلام سے منسوب ہے لوگ اس سے ڈرتے ہیں۔

Montreal کے اندر منعقدہ مذکورہ کانفرنس کے متعلق جس چیز نے مجھے سب سے زیادہ شوق آفریں کیا وہ بس ایک سوال ہے، کیا محترمہ Saadwi یا ان کے کسی بھی نقاد کے اقوال مبنی برحقیقت ہیں؟ دوسرے الفاظ میں کیا یہودیت، عیسائیت اور اسلام عورت کے یکساں تصور کے حامل ہیں؟ کیا ان کے تصورات مختلف ہیں؟ کیا یہودیت اور عیسائیت فی الواقع عورت کے تئیں اسلام کی بہ نسبت کہیں بہتر برتاؤ کرتے ہیں؟ حقیقت نفس الامری کیا ہے؟

ان مشکل سوالات کے جوابات کو ڈھونڈنا، تلاش کرنا اور حاصل کر لینا کوئی آسان کام نہیں ہے، سب سے پہلی مشکل تو یہ ہے کہ ایسا کرنے والے کو انصاف پسند اور غیر جانب دار ہونا چاہیے یا کم سے کم اسے ایسا کرنے کی حتی المقدور کوشش کرنی چاہیے۔ اسلام اسی کی تعلیم دیتا ہے، قرآن مسلمانوں کو حق بات کہنے کی ہدایت کرتا ہے اگرچہ عزیز ترین اعزہ و اقارب اس کو ناپسند ہی کیوں نہ کریں، قرآن کے اندر اللہ کا ارشاد ہے "اور جب بات کہو تو حق کی کہو اگرچہ وہ اپنا قریبی ہی ہو..." سورۃ الانعام (١٥٢) دوسری جگہ سورۃ النساء ١٣٥ میں ارشاد باری ہے "اے ایمان والو قائم رہو انصاف پر گواہی دو اللہ کی طرف کی اگرچہ نقصان ہو تمہارا یا ماں باپ کا یا قرابت والوں کا..."

میں اس تمہید میں اس بات پر زور دینا چاہوں گا کہ میرے اس مطالعہ کا مقصد یہودیت یا عیسائیت کی جانبدارانہ تحقیر و تذلیل نہیں ہے، بحیثیت مسلمان ہم ان مذاہب کے آسمانی ہونے کا یقین رکھتے ہیں موسیٰ علیہ السلام اور عیسیٰ علیہ السلام کے اللہ کے عظیم پیغمبر ہونے کا قائل ہوئے بنا تو کوئی مسلمان ہو ہی نہیں سکتا۔ میرا مقصد صرف اسلام کی براءت ثابت کرنا ہے اور انسانیت کو اللہ کی جانب سے عطا ہونے والے آخری برحق پیغام کو خراج تحسین پیش کرنا ہے جس کو مغرب عرصۂ دراز سے ادا کرنے میں تاخیر کر رہا ہے، میں اس پر بھی زور دینا چاہوں گا کہ میں نے صرف عقیدہ سے بحث کی ہے، یعنی میری دلچسپی خصوصاً عورتوں کی اس پوزیشن سے ہے جو انھیں اسلام

یہودیت اور عیسائیت میں حاصل ہے اور وہ بھی خاص طور سے مندرجہ ذیل پہلوؤں سے، ترکہ، میراث حوا اور ان کی غلطی، وراثت، حق جائیداد، مالی تحفظ، طلاق، کثرت ازدواج اور پردہ وغیرہ، ان پہلوؤں سے واقف ہونے کے لئے اصل مراجع سے میں نے رجوع کیا ہے نہ کہ مذکورہ مذاہب کے متبعین کے اعمال سے جو آج دنیا کے اندر لاکھوں کروڑوں کی شکل میں موجود ہیں، درج ذیل بحث میں میں نے صرف پردہ پر زور دیا ہے، بحوالہ شواہد کی اکثریت قرآن کریم، احادیث رسول ﷺ تورات، تلمود اور کچھ ان نہایت ہی بااثر پادریوں کے اقوال سے ماخوذ ہیں جنھوں نے عیسائیت کے تعارف اور اس کی صورت گری کرنے میں لامحدود خدمات انجام دی ہیں، اصل مراجع سے دلچسپی اس حقیقت کی غماز ہے کہ مخصوص مذاہب کو ان کے محض نام کے متبعین کے برتاؤ اور وضع قطع و نظریات سے سمجھنا باعث گمراہی ہے، بہت سے لوگ تہذیب کو مذہب سے الگ کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتے، بہت سے لوگوں کو اپنی مذہبی کتابوں کی تعلیمات کا علم نہیں ہوتا اور بہت سے لوگ ایسے بھی ہیں جو ان کی طرف توجہ تک نہیں دیتے۔

اسلام شرافت، پاکیزگی، حیا، تقدس اور پاکدامنی کا علمبردار ہے، اور پوری کوشش کرتا ہے کہ مرد و زن دونوں ان اقدار پر صادق آئیں، اسلام کے اندر قبل از ازدواج کوئی جنسی تعلق نہیں ہے، Dating، ناچ، گانا اور مخلوط اجتماع پر سخت پابندی ہے، عورتوں کو مردوں کے برابر حق تعلیم حاصل ہے لیکن اس کے ساتھ پہلے انھیں اس علم کا انتخاب کرنا چاہیے جو ان کے مستقبل کی ماں کے رول کو زیب دے، وہ یونیورسٹی اور کالج کی تعلیم سے بھی استفادہ کر سکتی ہیں، بشرطیکہ وہ مناسب اسلامی لباس زیب تن کریں، اسلام تو عورت کو انسانی زندگی میں سب سے بیش قیمت مخلوق تصور کرتا ہے، لہٰذا اس کو ہر قسم کے نقصانات اور مداخلت کرنے والوں سے محفوظ رکھنے کے لئے ہر بالغ عورت پر پردہ یا نقاب کی شرط عائد کرتا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ بالغ عورت کو اپنے چہرہ اور ہاتھوں کے علاوہ پورے بدن کو ڈھانکنا ہے ایسا صرف اس وقت کرنا ہے جب کہ وہ اپنے خاندانی گھر سے باہر نکلتی ہے جب کہ اپنے قریبی مثلاً شوہر، بیٹے، بھائی، چچا، دادا، وغیرہ کی موجودگی میں اپنے معمولات کے کپڑے پہن سکتی ہے۔

صنف مخالف پر شہوانی نظر ڈالنا اسلام میں ممنوع ہے، اسلام صنف نازک کے جسمانی

مرغوبات سے کہیں آگے بڑھ کر اس کی شرافت اور عزت پر توجہ دیتا ہے لہٰذا جب ان کے مرغوبات متحقق ہوں گے تو ان کے ساتھ ویسا ہی شرافت کا برتاؤ بھی ہوگا نتیجۃً صنف نازک معاشرہ میں خود کو جس قدر مہذب اور شائستہ انداز میں پیش کرے گی اس کے ساتھ ویسا ہی رویہ اختیار کیا جائے گا۔

اہل مغرب پردہ یا دوپٹہ کو عورتوں کی غلامی اور ان پر ظلم وزیادتی کا سب سے عظیم مظہر سمجھتا رہا ہے، یہ صحیح ہے کہ یہودی اور عیسائی روایات میں پردہ جیسی کوئی چیز موجود نہیں ہے لیکن آیئے ہم ریکارڈ کو از سر نو ترتیب دیں۔ براہ راست ریکارڈز کا مطالعہ کریں Yeshiva University میں توراتی ادب کے پروفیسر کی حیثیت سے کام کرنے والے یہودی قانون کے معلم ڈاکٹر Menachem M.Brayor کی اپنی کتاب "یہودی ادب میں یہودی عورت" کے مطابق "یہودی عورتوں کا یہ رواج تھا کہ وہ باہر جاتے وقت دوپٹہ استعمال کرتی تھیں جو بسا اوقات ان کی ایک آنکھ کو چھوڑ کر پورے چہرے کو ڈھانکے رہتا تھا" وہ کچھ مشہور قدیم یہودی اقوال بھی بطور اقتباس نقل کرتا ہے۔

"بنی اسرائیل کی لڑکیوں کو ننگے سر چلنا زیب نہیں دیتا یا ننگے سر چلنا ان کے شایان شان نہیں" اور "ملعون ہو وہ شخص جو اپنی بیوی کے بال کو کھول کر نظارہ عام کی دعوت دیتا ہے..." "وہ عورت جو خود کی آرائش وزیبائش کے لئے اپنے بالوں کو کھولے رکھتی ہے وہ غربت لاتی ہے" کسی شادی شدہ عورت کا ننگے سر ہو کر عبادت کرنا یا دعائیہ کلمات ادا کرنا یہودی قانون وعقائد کی رو سے ممنوع ہے اور عورت کے بالوں کو کھلا رکھنا عریانیت تصور کیا جاتا ہے۔ ڈاکٹر Brayer آگے رقم طراز ہیں: Tannaitie دور میں کسی یہودی عورت کا اپنے سر کو نہ ڈھانک پانا اس کی شرافت وپاکیزگی کی توہین مانا جاتا تھا لہٰذا سر کھلے ہونے کی صورت میں اس پر چار سو Zusim کا جرمانہ بھی عائد ہو سکتا تھا" ڈاکٹر Brayer اس امر کی بھی توضیح کرتا ہے کہ یہودی عورت کا پردہ ہمیشہ نشان شرافت وپاکبازی تصور نہیں کیا جاتا تھا، بسا اوقات یہ پردہ شرافت وپاکیزگی کی بہ نسبت علو مرتبہ اور شان وشوکت کا مظہر تصور کیا جاتا تھا، یہ پردہ شریف زادیوں کی قدر ومنزلت اور اور تفوق وبرتری کا مجسمہ ہوا کرتا تھا، یہ پردہ اس امر کا بھی نمائندہ ہوا کرتا تھا کہ شریف زادی تک رسائی اور اس کا حصول ناممکن ہے کیونکہ وہ اپنے شوہر کی مقدس ملکیت ہے۔ یہ پردہ عورت کے سماجی وقار

اور خودداری کا ترجمان ہوا کرتا تھا نچلے طبقات کی عورتیں اپنے علو مرتبہ کا تاثر قائم کرنے کے لئے اکثر پردہ کا استعمال کیا کرتی تھیں۔ پردہ کے شرافت اور عالی ظرفی کے نشان ہونے کی اسی حقیقت کے پیش نظر طوائفوں کو قدیم یہودی معاشرے میں پردہ کے استعمال کی ممانعت تھی، بہر حال طوائفیں لائق اعتناء ہونے کے لئے اکثر ایک خاص قسم کا دوپٹہ استعمال کرتی تھیں، یورپ کے اندر یہودی عورتوں نے انیسویں صدی تک پردہ کے استعمال کو جاری رکھا، یہاں تک وہ ارد گرد کے لادینی کلچر وتہذیب میں ضم ہو گئیں، انیسویں صدی میں یورپ کی زندگی کے بیرونی دباؤ نے ان میں سے بہتوں کو ننگے سر باہر نکلنے پر مجبور کر دیا، کچھ یہودی عورتوں نے وگ (ٹوپی) کو اپنے روایتی پردے کے متبادل کے طور پر سر ڈھکنے کے لئے کہیں زیادہ آرام دہ پایا، آج متقی ترین یہودی عورتیں بھی یہودی معبد کے علاوہ اپنے بال کو کھلا رکھتی ہیں جب کہ ان میں سے کچھ جیسے کہ Hasidie Seets اب بھی وگ کا استعمال کرتی ہیں۔

یہودیت کے بعد اب ہمیں عیسائی روایات کا جائزہ لینا ہے یہ امر بالکل واضح ہے کہ کیتھولک راہبہ ہزاروں سال سے اپنے سروں کو ڈھانکتی رہی ہیں لیکن یہی سب کچھ نہیں ہے۔ St.Paul نے عہد نامہ جدید میں کچھ بڑے دلچسپ اقوال پردہ سے متعلق کہے ہیں جو حسب ذیل ہیں، اب میں آپ کو احساس دلانا چاہتا ہوں کہ ہر مرد کا حاکم حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہیں اور ہر عورت کا حاکم مرد ہے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا حاکم خدا ہے ہر وہ شخص جو اپنے سر کو ڈھانک کر عبادت کرتا ہے یا پیشین گوئی کرتا ہے وہ اپنے حاکم کی توہین کرتا ہے اور ہر وہ عورت جو اپنے سر کو کھول کر عبادت کرتی ہے یا پیشین گوئی کرتی ہے وہ اپنے حاکم کی توہین کرتی ہے، ایسا کرنا بالکل ایسا ہی ہے جیسے کہ اس نے اپنے بال کو چھیل ڈالا ہو۔

اگر کوئی عورت اپنے بال کو ڈھانکتی نہیں ہے تو بہتر ہے کہ وہ انہیں کٹوا دے اور اگر کسی عورت کے لئے اپنے بال کو کٹوانا یا صاف کرانا قابل شرم ہے تو پھر اس کو اپنا سر ڈھانکنا چاہیے، کسی مرد کو اپنے بال نہیں ڈھانکنا چاہیے کیونکہ وہ خدا کا عکس اور اس کی تجلی کا مظہر ہے لیکن عورت مرد کی شان ہے کیونکہ مرد عورت سے پیدا نہیں ہوا بلکہ عورت مرد سے پیدا ہوئی ہے، نہ ہی مرد عورت کے لئے پیدا ہوا ہے بلکہ عورت مرد کے لئے وجود میں لائی گئی ہے۔ اس وجہ سے اور فرشتوں کے باعث

عورت کو اپنے سر پر اپنے حاکم کا نشان لگائے رکھنا چاہیے۔" (ICORINTHIANS 11:3-10)

St.paul کا پردہ استعمال کرنے والی عورتوں کے لئے حتی پر مقبلیت بیان بھی ہے کہ پردہ مرد کی حاکمیت کا نشان ہے، وہ مرد جو خدا کا عکس اور اس کی تجلی کا مظہر ہے اس عورت پر جو مرد سے اور اس کے لئے پیدا کی گئی تھی۔ St Tertullian اپنے مشہور مقالے "دوشیزاؤں کا پردہ" میں لکھا "دوشیزاؤں تم باہر گلیوں میں جاتے وقت پردہ کا استعمال کرتی ہو اس لئے تمہیں چرچ میں بھی ایسا کرنا چاہیے، تم اجنبی لوگوں کے درمیان جب پردہ کا اہتمام کرتی ہو تو اپنے بھائیوں کی موجودگی میں بھی ایسا ہی کیا کرو" آج کے کیتھولک گرجا گھر کے عام اصولوں کے درمیان ایک اصول ایسا بھی ہے جو گرجا گھر میں عورتوں کو سر ڈھکنے کا خواہاں ہے، کچھ عیسائی فرقے مثلاً Amish اور Menndnites آج بھی اپنی خواتین کو محجوب رکھتے ہیں، اس کا سبب جیسا کہ ان کے چرچ کے لیڈران کہتے ہیں یہ ہے کہ "سر کا ڈھانکنا اس امر کا نشان ہے کہ وہ مرد اور خدا کے ماتحت ہیں" یہ بالکل وہی منطق ہے جس کا St.paul نے عہد نامہ جدید میں تعارف کرایا ہے۔ مذکورہ بالا تمام شواہد سے بالکل ظاہر ہے کہ اسلام نے سر کے دوپٹہ کو ایجاد نہیں کیا ہے بہر حال اسلام نے اس پر اپنی مہر تصدیق ثبت کر دی ہے۔ قرآن مومن مرد و عورت دونوں کو اپنی نگاہیں نیچے رکھنے اور اپنی شرافت کے تحفظ کا حکم دیتا ہے مزید برآں وہ مومنات سے یہ بھی عرض کرتا ہے کہ وہ اپنے دوپٹہ کو اتنا دراز کریں کہ وہ ان کے گردن اور سینہ کو بھی ڈھک سکے، قرآن کا ارشاد ہے "مسلمان مردوں سے کہو کہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں... مسلمان عورتوں سے کہو کہ وہ بھی اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور اپنی عصمت میں فرق نہ آنے دیں اور اپنی زینت کو ظاہر نہ کریں سوائے اس کے جو ظاہر ہے اور اپنے گریبانوں پر اپنی اوڑھنیاں ڈالے رکھیں"

(سورۃ النور: آیت ۳۲_۳۰)

قرآن اس معاملے میں بالکل واضح ہے کہ شرافت و پاکبازی کے لئے پردہ لازمی ہے، لیکن سوال یہ ہے کہ شرافت و پاکبازی اہم کیوں ہے؟ قرآن اس سلسلے میں اور بھی واضح رخ اختیار کرتا ہے۔

"اے نبی! اپنی بیویوں سے اور اپنی صاحبزادیوں سے اور مسلمانوں کی عورتوں سے کہہ دو کہ وہ اپنے اوپر اپنی چادریں لٹکا لیا کریں، اس سے بہت جلد [illegible] کی شناخت ہو جایا کرے گی پھر نہ ستائی جائیں گی۔" (سورۃ الاحزاب: ۵۹)

یہی پوری بحث کا لب لباب اور خلاصہ ہے، شرافت و پاکیزگی [illegible] ہے جسے عورتوں کو چھیڑ چھاڑ سے محفوظ رکھنے کے لئے قرآن نے مقرر کیا ہے یا سادہ الفاظ میں بیان کریں تو شرافت و پاکیزگی محافظ ہیں، اس طرح سے ہم دیکھ رہے ہیں کہ پردہ کا اسلام میں صرف ایک ہی مقصد ہے اور وہ ہے تحفظ یعنی عورتوں کو چھیڑ چھاڑ سے محفوظ رکھنا، اسلامی پردہ عیسائی روایات کے پردہ کے برخلاف، نہ تو مرد کی حاکمیت کا ترجمان ہے اور نہ ہی عورت کی ماتحتی کا مظہر، اسلامی پردہ یہودی روایتی پردہ کے برخلاف، کچھ چند شادی شدہ شریف زادیوں کے امتیاز و تفوق اور شان و شوکت کا نشان نہیں ہے اسلامی پردہ تو بس شرافت و پاکیزگی کا نشان ہے جس کا مقصد تمام عورتوں کا تحفظ ہے، اسلامی فلسفہ یہ ہے کہ متاسف ہونے کی بنسبت محفوظ رکھنا ہمیشہ اچھا ہوتا ہے، سود مند ہوتا ہے۔

درحقیقت اسلام عورتوں کے اجسام اور ان کی سا[illegible] کے تحفظ پر اس قدر زور دیتا ہے کہ اگر کوئی شخص کسی عورت پر غلط کاری کا جھوٹا الزام لگائے تو [illegible] ہے تو اسے سخت سزا دی جائے گی قرآن میں وارد ہے۔

"جو لوگ پاک دامن عورتوں پر زنا کی تہمت لگائیں پھر چار گواہ نہ پیش کر سکیں تو انہیں اسی کوڑے لگاؤ اور کبھی بھی ان کی گواہی قبول نہ کرو، یہ فاسق لوگ ہیں" (سورۃ النور: آیت ۴)

اس سخت قرآنی نقطہ نگاہ و رویہ کو عصمت دری کی اس انتہائی ہلکی سزا سے موازنہ کیجئے جو کہ توارات میں مذکور ہے "اگر کوئی شخص کسی ایسی دوشیزہ سے اتفاقاً ملتا ہے جس کی شادی کا اس کے ساتھ کوئی عہد و پیمان نہیں ہوا ہے اور وہ اس کی عصمت دری کر دیتا ہے تو ایسی صورت میں وہ دوشیزہ کے باپ کو پچاس چاندی کے سکے دے گا۔ وہ ضرور اس لڑکی سے شادی کرے کیونکہ اس نے اس کو خراب کر دیا ہے، وہ جب تک زندہ رہے گا اس لڑکی کو کبھی طلاق نہیں دے سکتا۔" (Deut:22:28-30)

یہاں ایک سوال یہ کیا جاسکتا ہے کہ فی الواقع سزا کس کو دی گئی؟ آیا اس آدمی کو جس نے عصمت دری کے جرم میں قانن ادا کی یا اس لڑکی کو جس کو کہ اس آدمی سے شادی کرنے اور اس کی زندگی بھر اس کے ساتھ رہنے کے لئے مجبور کردیا گیا جس نے اس کی عصمت دری کی تھی، دوسرا سوال جو پوچھا جاسکتا ہے وہ یہ ہے قرآن کے تحت اور توراۃ کے بلکے رویے میں کون عورت کو زیادہ تحفظ عطا کرنے والا ہے؟

بالخصوص مغرب کے کچھ لوگ اس پوری بحث کو۔ کہ شرافت و پاکیزگی تحفظ کا کا ضامن ہے۔ کو مہمل قرار دیں گے، ان کی بحث یہ ہے کہ سب سے عمدہ تحفظ اشاعت علم، مہذب عادات واطوار اور ضبط نفس ہیں، اس کے جواب میں ہم کہنا چاہیں گے کہ ہاں آپ نے بڑی اچھی بات کہی ہے لیکن اتنا ہی کافی نہیں ہے کیونکہ اگر تہذیب کافی تحفظ کا ضامن ہوتی تو پھر ایسا کیوں ہے کہ شمالی امریکہ میں عورتیں کسی اندھیری گلی میں تنہا جانے کی ہمت و جرأت نہیں کر پاتی ہیں؟ اگر تعلیم ہی مسئلہ کا حل ہے تو پھر باوقار یونیورسٹیاں۔ جیسے کہ Queen/s University وغیرہ خصوصاً طالبات کے لئے کیمپس میں "Walk Home Service" (گھر جیسی چہل قدمی) کے انتظامات کیوں کرتی ہے؟ اگر ضبط نفس جواب ہے تو پھر کارخانوں میں جنسی استحصال کے معاملات کیوں رونما ہوتے ہیں جن کی خبریں میڈیا روزانہ شائع کرتا ہے، پچھلے کچھ سالوں میں جنسی استحصال کرنے والے ملزمان کا ایک نمونہ پیش ہے جس کے اندر آج کی مہذب دنیا کے ایسے ایسے ذمہ داران شامل ہیں کہ یقین نہیں ہوتا مثلاً، بحری فوج کے افسران، منیجر، یونیورسٹی کے پروفیسر، سینیٹ کے اراکین، سپریم کورٹ کے جج، اور U.S کا صدر۔

Queen's University کے دفتر نسواں کے صدر کی جانب سے جاری شدہ ایک پمفلیٹ میں تحریر کردہ مندرجہ ذیل اعداد و شمار کو جب میں نے پڑھا تو مجھے خود اپنی آنکھوں پر اعتماد نہیں ہو پا رہا تھا۔

کیناڈا میں ہر چھ منٹ پر ایک عورت پر جنسی حملہ ہوتا ہے۔

کیناڈا میں ہر تین عورت میں سے ایک پر ان کی زندگی میں کسی بھی وقت جنسی حملہ ہو جائے گا۔

ہر چار عورت میں سے ایک پر اس کی پوری زندگی میں عصمت دری یا اس کی کوشش کا خطرہ لاحق ہوتا ہے۔

آٹھ عورتوں میں سے ایک پر اس کے کالج یا یونیورسٹی تعلیم کے دوران جنسی حملہ ہوسکتا ہے۔

ایک مطالعہ کی رو سے کیناڈا کے ساٹھ فیصد عمر دراز یونیورسٹی کے طلبا اگر انہیں پکڑے نہ جانے کا پختہ یقین ہو تو جنسی حملہ کرنے میں کوئی جھجک محسوس نہیں کریں گے۔

ہم جس معاشرہ میں زندگی بسر کرتے ہیں اس میں کچھ چیزیں بنیادی طور سے غلط ہیں، لہذا معاشرہ کی طرز زندگی اور تہذیب میں بنیادی اور مکمل تبدیلی نہایت ضروری ہے، شرافت، پاکیزگی اور سادگی کے تمدن کی از حد یا اشد ضرورت ہے، یہ تمدن ہمارے لباس، ہماری تقریر اور مرد و زن دونوں کے طور طریقوں میں ظاہر ہو، ورنہ مذکورہ خوفناک اعداد و شمار روز بروز ابتر ہی ہوتے جائیں گے اور بدقسمتی سے عورتوں ہی کو اکیلے اس کی قیمت چکانی پڑے گی در حقیقت ہم سبھی اس مصیبت سے دوچار ہیں لیکن جیسا کہ خلیل جبران نے کہا ہے: کیونکہ جس شخص کو گھونسے مارے جاتے ہیں وہ اس شخص کے مانند نہیں ہوتا جو ان گھونسوں کو سہتا ہے' بہر حال فرانس جیسی سوسائٹی جو مسلم طالبات کو سادہ لباس استعمال کرنے کی وجہ سے اسکول سے خارج کر دیتی ہے بالآخر خود ہی کو نقصان پہنچا رہی ہے، یہ دراصل ہماری موجودہ دنیا کی ستم ظریفیوں میں سے ایک ہے کہ بالکل وہی دوپٹہ جب کیتھولک راہبہ مردوں کی حاکمیت کے اظہار کی غرض سے استعمال کرتی ہے تو اس کو ''تقدس'' کا نشان سمجھ کر معزز گردانا جاتا ہے لیکن جب وہی دوپٹہ کوئی مسلم خاتون تحفظ کے پیش نظر استعمال کرتی ہے تو اس کو ''ظلم و زیادتی'' کا نشان بتایا جاتا ہے۔

(جاری)

☆☆☆☆

☆☆☆

تعارف وتجزیہ

نقوش عقاد

ایک مطالعہ

عرفات ظفر اعظمی

جے این یو، نئی دہلی

جدید عربی ادب کی نمائندہ شخصیات میں مشہور مصری ادیب عباس محمود العقاد (۱۸۸۹_۱۹۶۴) کا نام کسی تعارف کا محتاج نہیں ان کی شخصیت کے متعدد پہلو ہیں، وہ ایک بہترین ادیب اور شاعر ہونے کے ساتھ ساتھ ایک اچھے محقق اور فلسفی بھی ہیں، وہ جدید عربی تنقید کے اسکول "مدرسۃ الدیوان" کے بانی بھی ہیں، جس نے عربی شعروادب کو نئی جہتوں سے روشناس کرایا، ان تمام خصوصیات کے علاوہ وہ سیرت نگاری کے میدان میں اپنی مثال آپ ہیں، عقاد نے مختلف شعبہ ہائے زندگی سے تعلق رکھنے والی متعدد شخصیات پر اپنا قلم اٹھایا، انھیں بچپن ہی سے عالمگیر شخصیات سے غیر معمولی عشق تھا، وہ ان کے مطالعہ میں ایک خاص طرح کا لطف اور لذت محسوس کرتے ہیں، انھوں نے اپنی سیرت نگاری میں مذہبی واسلامی شخصیات پر خصوصی توجہ مرکوز کی ہے، یہاں ان کے قلم میں جو رعنائی شگفتگی اور سلاست نظر آتی ہے وہ ان دوسری کتابوں میں کہاں۔ عرب اور دینی شخصیات کے علاوہ عقاد نے بعض عالمی شخصیات پر بھی اپنے خیالات کا اظہار کیا ہے مثلاً۔ سن یاتسن، مہاتما گاندھی، محمد علی جناح اور جمال الدین افغانی جو اپنے دور کے لیے مشعل ہدایت اور حق کے سچے پرستار تھے اور جنھوں نے اس دنیا کو بنانے اور سنوارنے میں دکھ درد سہے۔ عقاد نے انکے بلند کردار اعلی صفات اور عظیم قربانیوں سے نئی نسل کو روشناس کرانے کی بھرپور کوشش کی ہے۔

عقاد دینی اور اسلامی شخصیات سے یک گونہ تعلق اور ان سے قلبی وجذباتی لگاؤ محسوس

کرتے ہیں۔ ان شخصیات پر خامہ فرسائی کرتے ہوئے وہ یہ بھی بتاتے ہیں کہ یہ افراد عصر حاضر میں ہمیں کیا درس دیتے ہیں، وہ انکا نہایت گہرائی سے مطالعہ اور تجزیہ کرتے ہیں اور ان سے متعلق روایات وواقعات کو تحقیق وتفتیش کے بعد ہی قبول کرتے ہیں اور اگر کوئی سقم نظر آتا ہے تو اس پر تنقید بھی کرتے ہیں۔ عبقریات سے تعلق اپنی تمام تصانیف میں عقاد نے اپنے فلسفیانہ اسلوب سے گریز کیا ہے تاکہ یہ چیزیں خاص وعام سب کیلئے یکساں مفید ہوسکیں۔ ان موضوعات پر لکھتے ہوئے انھوں نے مستشرقین اور جدید ادباء ومفکرین کی طرف سے ان پر لگائے گئے الزامات واعتراضات کا جواب دینا بھی ضروری تصور کیا ہے تاکہ انکے مذہبی تعصب اور علمی بددیانتیوں کا پردہ چاک کریں۔ اس سلسلے میں انھوں نے قرآن وحدیث سے بھرپور استدلال کیا ہے۔ عقاد کی ان خدمات کو دیکھتے ہوئے جدید دور میں انکا کوئی ہمسر نظر نہیں آتا۔

"نقوش عقاد" ڈاکٹر ابوسفیان اصلاحی کی تازہ ترین تصنیف ہے۔ موصوف علیگڑھ مسلم یونیورسٹی میں عربی زبان وادب کے استاذ ہیں اور کئی کتابوں کے مصنف بھی۔ اپنے علمی، ادبی اور دینی مضامین ومقالات کی وجہ سے ہندوپاک کے اہل علم ودانش اور اصحاب قلم کے درمیان عام طور سے جانے جاتے ہیں۔ یہ کتاب دراصل العبقریات الاسلامیہ سے متعلق عباس محمود العقاد کی چند عربی تصانیف کا نچوڑ ہے، جسے مؤلف نے اردو قارئین کی خدمت میں پیش کیا ہے، نقوش عقاد کے لئے ڈاکٹر اصلاحی نے عقاد کی العبقریات سے صرف چار شخصیتوں کا انتخاب کیا ہے جو اپنے مقام ومرتبہ، قربانیوں اور گوناگوں اوصاف وکمالات کی وجہ سے پوری اسلامی تاریخ میں ممتاز حیثیت کی حامل ہیں اور وہ ہیں حضرت ابوبکر صدیق، حضرت علی، حضرت بلال اور ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالی عنہم اجمعین، مؤلف کتاب نے ان شخصیات سے متعلق عقاد کے افکار ونظریات کو نہایت ہی خوبصورتی کے ساتھ اور بہت ہی سادہ اور رواں زبان میں پیش کیا ہے تاکہ خواص وعوام کو استفید کرنے کا عقاد کا مقصد فوت نہ ہو پائے۔

یہ کتاب پانچ ابواب پر مشتمل ہے، عقاد کے آراء وافکار اور ان کی علمی، دینی اور ادبی خدمات کو پیش کرنے سے قبل ضروری تھا کہ ان کی شخصیت سے قارئین کا تعارف کرادیا جائے، عقاد کی شخصیت کی تعمیر وتشکیل میں کن عوامل کا نمایاں رول رہا ہے انھیں بیان کردیا جائے، اسی کے پیش نظر نقوش عقاد کا پہلا باب "عباس محمود العقاد۔ حیات اور کارنامے" کے نام سے معنون ہے

اس میں مصنف نے بتایا ہے کہ عقاد ۱۸۸۹ء میں مصر کے شہر اسوان میں پیدا ہوئے۔ ان کا گھرانہ نہایت شریف اور دیندار تھا ان کے والد نماز کے لئے شروع ہی سے تاکید کیا کرتے تھے، عقاد کی ذہانت کا اندازہ لوگوں کو اسکول ہی سے ہو گیا تھا، مشہور مصری عالم اور مصلح شیخ محمد عبدہ نے اسی وقت ان کی ایک تحریر کو دیکھ کر کہہ دیا تھا کہ یہ لڑکا آگے چل کر ایک بڑا مصنف بنے گا، عقاد جن شخصیات سے اپنی زندگی میں متاثر ہوئے ان میں شیخ محمد عبدہ اور سعد زغلول خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ فلسفہ، تاریخ اور سیرت سے انھیں خصوصی دلچسپی تھی، مطالعہ کا شوق اس قدر تھا کہ وہ رات رات بھر پڑھتے رہتے۔ آگے عقاد کی تصنیفات کی ایک فہرست پیش کرنے کے بعد مؤلف نے ان کی شخصیت کا بحیثیت مقالہ نگار جائزہ لیا ہے، اس میں انھوں نے عقاد کے دینی، ادبی، سیاسی اور معاشرتی مقالات پر تبصرہ اور تجزیہ پیش کیا ہے اور اخیر میں عقاد کے اسلوب نگارش سے بحث کی ہے، عقاد چونکہ انگریزی ادب سے واقف تھے اس لئے بات کو کم سے کم لفظوں میں کہنے کے عادی تھے جتنے میں کہ پوری طرح ادا ہو جائے، عقاد کے نزدیک ایک ادیب کے لئے یہ مناسب نہیں کہ وہ ظاہری چمک دمک الفاظ اور جملوں کی تزئین و ترتیب میں ساری توجہ صرف کر دے اور مفہوم اس میں گم ہو کر رہ جائے، لیکن اس کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ اسے بازاری اور دیہاتی زبان کے معیار پر لا اتارا جائے۔ اسی طرح مؤلف نے عقاد کے اس قول کو بھی نقل کیا ہے کہ ”اگر آج کوئی انگریزی زبان کے طرز تحریر کو اپنائے تو اسے مورد الزام قرار نہیں دیا جائے گا، البتہ دور جدید کا ادیب اگر جاحظ (عہد عباسی کے مشہور عربی ادیب) کے طرز اسلوب کو اپنائے تو اسے ضرور لائق تنقید قرار دیا جائے گا، کیونکہ یہ اسلوب نئی نسل پر منطبق نہیں ہوتا، ہر دور کی تحریر اپنے عہد کی آئینہ دار ہوتی ہے۔“ عقاد چونکہ ادیب ہونے کے ساتھ ساتھ ایک مفکر اور ایک فلسفی بھی تھے اس لئے انھوں نے زیادہ تر فلسفیانہ موضوعات کی مناسبت سے زبان استعمال کی ہے، اس طرح ان کی تحریر کبھی کبھی پیچیدہ اور مشکل نظر آنے لگتی ہے لیکن ان کی عبارتوں کے پیچھے افکار و خیالات کا ایک ذخیرہ ہوتا ہے، پڑھنے والا جب تک اپنے ذوق کو بلند نہ کرے عقاد کے فن اور ادب کا اندازہ نہیں کر سکتا۔

اس کتاب کا دوسرا باب ”حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ عقاد کی نظر میں“ ہے۔ یہ باب اصلاً عقاد کی العبقریات الاسلامیہ کے سیریز کی مشہور کتاب ”عبقریۃ الصدیق“ کا خلاصہ اور نچوڑ ہے جسے مؤلف نے اپنی زبان میں پیش کر دیا ہے۔ اس میں خلیفہ اول کی زندگی کے مختلف پہلوؤں

پر سیر حاصل بحث کی گئی ہے، حضرت ابوبکر رضی اللہ کے لقب الصدیق پر بحث کرتے ہوئے لکھا ہے کہ انھیں دور جاہلیت میں صدیق کے لقب سے اس لئے جانا جاتا تھا کہ وہ قریش کے نہایت مقبول ضامن تھے اور دور اسلام میں اس لقب کے ملنے کی ایک وجہ یہ تھی کہ انھوں نے معراج نبوی کی بغیر کسی تردد کے تصدیق کر دی، مستشرقین اور بعض جدید مؤرخین نے خلفۂ اول حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ پر بھی بعض رکیک اور مہمل اعتراضات کئے ہیں لیکن عقاد نے ان کے ہر ہر اعتراض کو پرکھا اور اس کا تشفی بخش جواب دیا ہے، اس کی کچھ مثالیں اختصار کے ساتھ یہاں پیش کی جا رہی ہیں: مستشرقین نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خلافت کو ایک سازش کا نتیجہ قرار دیا ہے، یعنی حضور ﷺ کے بعد خلیفہ بننے کے حقدار وہ نہیں بلکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ تھے، اس اعتراض کا جائزہ لیتے ہوئے عقاد کہتے ہیں کہ مختلف وجوہ کی بناء پر انھیں خلیفہ اول ہونے کا پورا پورا حق حاصل تھا، اور ان میں سب سے اہم یہ کہ آنحضور ﷺ نے انھیں اپنی زندگی ہی میں نماز پڑھانے کا حکم دیا تھا، نیز سن ۹ ہجری میں انھیں پہلا امیر حج بنا کر بھیجا اور خود مدینہ میں مقیم رہے، اس لئے قرآن کے مطابق انھیں کو پہلا خلیفہ ہونا چاہیے تھا۔

بعض مؤرخین حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کی قیادت میں اسلامی لشکر کی روانگی سے متعلق ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے فیصلہ کو ناموزوں اور بے نتیجہ قرار دیتے ہیں لیکن عقاد کی رائے میں یہ ایک نہایت اہم اقدام تھا تاکہ لوگوں کے سامنے یہ واضح رہے کہ سنت رسول ﷺ کی اقتداء ہر حال میں ضروری ہے اور سیاسی اعتبار سے یہ دکھانا بھی ضروری تھا کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ اپنے عزم و ارادے میں مصمم اور پختہ ہیں، کیونکہ یہی وہ دور تھا جب بہت سے عرب قبائل کے اندر زکوٰۃ نہ دینے کے حوصلے بڑھ رہے تھے، اسلامی لشکر کو دیکھ کر ان کے حوصلے سرد پڑ گئے۔ اسی طرح عقاد نے یہ بھی ثابت کیا ہے کہ اس لشکر کی وجہ سے دشمنان اسلام کے دلوں پر رعب طاری ہو گیا، اگر یہ لشکر نہ جاتا تو قبائل غسان اور قضاعہ کے حوصلے بلند ہو جاتے اور یہ مسلمانوں کی شان و شوکت کو خاک میں ملا دیتے اس طرح اس لشکر نے رومیوں کے اندر اٹھنے والے حوصلے کو پست کر دیا۔

انھیں بہت سے لایعنی اور لغو اعتراضات میں سے حضرت صدیق پر ایک اعتراض یہ بھی کیا جاتا ہے کہ انھوں نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہ کو ان کے والد یعنی آنحضور ﷺ کی میراث سے محروم کر دیا، عقاد اس کے جواب میں کہتے ہیں کہ یہ سب انھوں نے اس لئے کیا کہ شریعت

اسلامی میں انبیاء کرام علیہم السلام کا کوئی وارث نہیں ہوتا، بہر حال ایک خاص چیز جو اس پورے باب میں نمایاں نظر آتی ہے وہ ہے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی ذہانت وفراست، محبت رسول ﷺ اور اتباع سنت۔

اس کتاب کے تیسرے باب کا عنوان ہے "حضرت علی رضی اللہ عقاد کی نظر میں" اس باب میں مؤلف نے حضرت علی رضی اللہ کی شخصیت سے متعلق عقاد کے ان افکار و خیالات کو پیش کیا ہے جس سے انھوں نے اپنی کتاب عبقریۃ الامام علی رضی اللہ عنہ میں بحث کی ہے، اس میں عقاد نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے متعلق بتایا کہ وہ خلافت کو اپنا حق سمجھتے تھے جب کہ قرآن اور حدیث میں ایسی کوئی دلیل نہیں ملتی جس کی بناء پر یہ کہا جائے کہ آپ ﷺ کی وفات کے بعد خلافت کے مستحق وہی تھے، مسئلہ خلافت ہی کو لے کر عام طور سے سیرت نگاروں نے یہ دکھانے کی کوشش کی ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور تینوں سابق خلفاء کے درمیان کشمکش رہتی تھی، لیکن عقاد نے دلائل کی روشنی میں یہ ثابت کیا ہے کہ وہ تینوں خلفاء کی حکومتی معاملات میں معاونت کرتے رہے اور خلفاء بھی ان سے مشورے لیتے رہے۔

عقاد نے اس کتاب میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شخصیت کے علمی پہلوؤں کو بھی اجاگر کیا ہے اور یہ ثابت کیا ہے کہ انھیں قرآنی علوم میں بڑا عبور تھا، وہ قرآنی اسرار و معارف اور اس کی حکمتوں کے لذت شناش تھے، عقاد انھیں اسلامی علم کلام کا بانی اول قرار دیتے ہیں، حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ذہن تحقیقی اور اجتہادی تھا وہ اپنے وقت کے ممتاز فقہاء میں شمار ہوتے تھے، مسائل میں غور و خوض کرتے اور قرآن وحدیث سے براہ راست استنباط کرتے تھے۔ بعض مورخین نے حضرت علی کو بحیثیت سیاست داں ناکام قرار دیا ہے، لیکن عقاد کا کہنا ہے کہ آپ کی سیاست کو ہرگز ناکام سیاست قرار نہیں دیا جا سکتا، کیونکہ آپ کی سیاست علم و دانش سے متصف ہے، آپ کو متعدد جھگڑے اس لئے کھانے پڑے کہ آپ کی سیاست مکر و فریب اور بغض وحسد سے کوسوں دور تھی عقاد حضرت علی کی شعر گوئی اور سخن فہمی کا بھی اعتراف کرتے ہیں اور انھیں عربی علم نحو کا موجد اول قرار دیتے ہیں، اسی طرح اس علم کو نحو کا نام دینا بھی حضرت علی ہی کی طرف منسوب ہے۔

عقاد نے اس کتاب میں ایک سوال یہ اٹھایا ہے کہ حضرت علی کو علمی، ثقافتی اور ادبی دنیا میں اتنا اونچا مقام کس طرح حاصل ہو گیا۔ اس ضمن میں پہلی بات تو انھوں نے یہ بتائی کہ انھوں

نے بے شمار عربی کتابوں کا مطالعہ کیا ان کتابوں میں مختلف ثقافت، ادیان و مذاہب اور نظریات کا ذکر تھا۔ اسکے علاوہ چونکہ انکا دار الخلافہ کوفہ تھا جہاں مختلف تہذیبوں کے نمائندہ حضرات موجود تھے اور وہاں بہت سے ایسے لوگ تھے جو فارسی کتب کا مطالعہ کرتے تھے۔ اس کے علاوہ چونکہ وہ ٢٥ سال حکومت و سیاست سے دور رہے اسلئے یہ اوقات انھوں نے بحث و تحقیق اور مطالعہ و مشاہدہ میں گزارا جسکی وجہ سے ان کے علمی ذہن میں وسعت آئی۔

اس کتاب کے چوتھے باب کا عنوان ہے "نسلی عصبیت اور حضرت بلال عقاد کی نظر میں" اس کے لئے مؤلف نے عقاد کی مشہور کتاب "بلال بن رباح مؤذن الرسول" کو بنیاد بنایا ہے۔ اس کتاب کا ایک بڑا حصہ نسلی عصبیت سے متعلق ہے۔ حضرت بلال کی زندگی سے متعلق کتب احادیث میں بہت قلیل معلومات ملتی ہیں۔ لیکن عقاد نے اپنی تلاش جستجو سے انکی زندگی کا ایک تسلی بخش اور محقق مرقع پیش کیا ہے جو انکی حضرت بلال سے گہری عقیدت ومحبت کی دلیل ہے اور جسکی جھلک انکے اسلوب تحریر میں بھی نمایاں ہے۔ اس کتاب میں عقاد نے نسلی امتیاز اور عصبیت جیسے مہلک مرض پر تفصیل سے اظہار خیال کیا ہے اور اس سلسلے میں دین اسلام کے موقف کو وضاحت سے پیش کیا ہے اور بتایا کہ ایک حبشی غلام کو اسلام قبول کرنے کے بعد اس مذہب نے کس اعزاز واکرام سے نوازا۔ عقاد Racism (نسلی امتیاز) کو عربی زبان کے لفظ "الراس" سے ماخوذ قرار دیتے ہیں۔

عقاد لکھتے ہیں کہ دنیا میں آج بھی کالے اور گوروں کے درمیان امتیاز برقرار ہے۔ مغربی تہذیب کا عدل و انصاف قائم کرنے اور نسلی امتیازات کو مٹانے کا نعرہ کھوکھلا ثابت ہو رہا ہے۔ لیکن مذہب اسلام نے اس مہلک بیماری کا حل آج سے چودہ سو سال پہلے ہی پیش کر دیا اور بتایا کہ انسانیت کی رو سے سارے انسان ایک سطح پر کھڑے ہیں اگر کسی کو کوئی امتیاز یا فوقیت ہے تو وہ صرف اور صرف تقوی کی بنیاد پر۔ اسلام کی یہی دعوت تھی جس نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو بھی لذت ایمان سے آشنا کر دیا۔ اسلام قبول کرنے سے پہلے وہ غلامی کی زندگی گزار رہے تھے اور انھیں آزادی دلانے کا سہرا حضرت ابوبکر صدیق کے سر جاتا ہے۔

حضرت بلال مکہ اور مدینہ جہاں بھی رہے ہمہ آن آپ ﷺ کی خدمت میں لگے رہے۔ سفر اور حضر ہر جگہ ساتھ ہوتے۔ مسجد نبوی میں سب سے پہلے اذان دینے والے حضرت بلال ہی

ہیں۔ آپ کی وفات کے کچھ دنوں بعد انھوں نے اذان دینا بند کر دیا اور کافی اصرار کے باوجود بھی دوبارہ اس لئے تیار نہیں ہوئے کیونکہ اشہد ان محمد ارسول اللہ پر پہنچتے تو رو پڑتے اور روتے روتے ہچکیاں بندھ جاتیں۔ آنحضور کی وفات کے بعد انکی پوری زندگی بے نور اور بے کیف ہوگئی حتیٰ کہ مدینہ کی گلیاں بھی آپ کیلئے گراں گزرنے لگیں۔ چنانچہ ستر سال کی عمر میں وہاں رہنے کے بجائے جہاد میں حصہ لینے کو ترجیح دیا۔

نقوش عقاد کی ایک خوبی یہ ہے کہ اس میں عقاد کے افکار و نظریات کے ساتھ جہاں جہاں مؤلف ان کی کسی رائے سے اتفاق نہیں رکھتے اپنے موقف اور اپنی رائے کا برملا اظہار بھی کرتے ہیں، مثلاً صفات بلال رضی اللہ عنہ پر بحث کرتے ہوئے عقاد لکھتے ہیں کہ حضرت بلال کا تعلق چونکہ افریقی نسل سے تھا اس لئے ان کے اندر یہ دو صفات اور موجود تھیں، ایک یہ کہ وہ بہت باریک بین تھے اور دوسرے یہ کہ ان کے اندر آرام طلبی کا مادہ زیادہ تھا، جس کی وجہ سے جفاکشی سے کتراتے۔ آرام طلبی کے سلسلے میں عقاد نے جنگ خیبر کے بعد کا ایک واقعہ نقل کیا ہے جس میں آنحضورﷺ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے ذمہ یہ کام سپرد کیا تھا کہ نماز فجر کے لئے سب کو جگا دیں گے لیکن وہ خود سو گئے اور پورا قافلہ سوتا رہا۔ ڈاکٹر اصلاحی اس کے بعد لکھتے ہیں اور بجا لکھتے ہیں کہ اس ایک واقعہ سے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے بارے میں یہ استدلال کرنا کہ وہ مزاجاً آرام طلب اور سست تھے مناسب نہیں ایک اس لئے کہ اس سو جانے میں صرف وہ نہیں بلکہ پورا قافلہ شامل تھا اور دوسرے صرف ایک واقعہ سے ایسے مجاہد شخص کو آرام طلب اس لئے نہیں کہا جاسکتا کہ ان کی پوری زندگی جفاکشی، جدوجہد اور عظیم کارناموں سے پر ہے، نہ جانے کتنی جنگوں میں شریک ہوئے اور سرورِ کائنات کی پوری زندگی میں وقت سے اذان دیتے رہے۔

کہا جاتا ہے کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے کوئی اولاد نہیں تھی جو ان کی وارث بنتی، اس پر عقاد کہتے ہیں کہ انھوں نے دنیا میں اپنا کوئی وارث نہیں چھوڑا، لیکن ایک چیز یعنی اذان ورثہ میں چھوڑی ہے جو اس وقت سے آج تک ہوتی چلی آرہی ہے اور تاقیامت دنیا کے گوشے گوشے میں ہوتی رہے گی اس طرح حضرت بلال رضی اللہ عنہ بھی قیامت تک زندہ و تابندہ رہے گا۔

اس کتاب کا پانچواں اور آخری باب "عقاد کی سیرت نگاری اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا" سے متعلق ہے، اس میں مؤلف نے عقاد کی سیرت نگاری کی خصوصیات پر روشنی ڈالی ہے اور

یہ بتایا ہے کہ کس طرح عقاد نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی عظمت و فضیلت اور ان کے تفقہ فی الدین پر اظہار خیال کیا ہے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی شخصیت پر لگائے گئے بے بنیاد الزامات اور ان کے پیچھے کارفرما مقاصد کو اجاگر کیا ہے اور دشمنان اسلام کی بہتان تراشیوں کا مدلل جواب دیا ہے، عقاد نے اس کتاب کے شروع میں عرب سوسائٹی میں عورت کی حیثیت و مرتبہ کو بھی اپنی بحث کا موضوع بنایا ہے، اور یہ بتایا کہ لڑکیوں کو زندہ در گور کردینے کی رسم صرف چند عرب بدوی قبائل کے یہاں پائی جاتی تھی اور ایسا بھی وہ صرف معاشی مجبوریوں کے سبب کرتے تھے، جیسا کہ خود قرآن نے فرمایا "لاتقتلوا اولادکم خشیۃ املاق" لیکن عرب شرفاء اور امراء عورتوں کو بڑی قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھتے تھے، بنو بکر اور بنو تغلب کے درمیان چلنے والی طویل تاریخی جنگ دراصل ایک عورت کی عزت و ناموس کی حفاظت ہی کی خاطر لڑی گئی، اس کے بعد عقاد نے اسلام میں عورتوں کے مقام و مرتبہ پر بحث کی ہے اور قرآن و حدیث کی روشنی میں یہ واضح کیا ہے کہ دین اسلام میں عورت کی جو قدر و منزلت ہے وہ کسی اور مذہب میں نہیں عقاد نے عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو دنیا کی عظیم ترین خاتون قرار دیا ہے اور ان کی شخصیت کے دونوں پہلوؤں پر بحث کی ہے یعنی اگر ایک طرف وہ عظیم مفسر، بلند پایہ مجتہد اور ممتاز فقیہ تھیں تو دوسری طرف ان کی شخصیت کا ایک نسوانی پہلو بھی ہے، ان کے اندر ایک عورت کا دل اور اس کی تمام صفات بدرجۂ اتم موجود تھیں، آپ کے ظاہری حسن و جمال کی وجہ سے آپﷺ انھیں "حمیرا" کہہ کر بھی پکارتے تھے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو کثرت سے اشعار یاد تھے، اور انھیں حسب حال پڑھنے پر بھی قدرت تھی اس طرح آپ سے مروی احادیث کا بھی ایک بڑا ذخیرہ ہے۔

واقعہ افک حضرت عائشہ کی زندگی کا نہایت سنگین اور المناک حادثہ تھا، جس کے ذریعہ منافقین نے ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی شخصیت کو داغدار بنانے کی سازش کی تھی، یہاں تک کہ قرآن کو ان کی عصمت و برأت کا اعلان کرنا پڑا، عقاد نے اس پر تفصیل سے بحث کی ہے، اسے بے بنیاد اور مشرکین و منافقین کی سازشوں کا شاخسانہ قرار دیا ہے، اور بتایا کہ پورے ذخیرۂ حدیث میں ایک حدیث بھی ایسی نہیں ملتی جس سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے کسی پہلو کی طرف ذم کا اشارہ ملتا ہو، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی زندگی کا ایک سیاسی پہلو بھی ہے جو شروع سے مورخین اور علماء اسلام کے درمیان نزاعی رہا ہے، اور جس نے حضرت عائشہ، حضرت عثمان اور پھر

حضرت علی کے درمیان آپس میں دوریاں پیدا کردیں، عقاد نے اس پہلو کو بھی نہایت خوش اسلوبی سے بیان کیا ہے، اور بتایا کہ باہمی دوریاں پیدا کرنے والے اصلا منافقین تھے، ورنہ حضرت عائشہ کا مقصد مسلمانوں کو انتشار وافتراق سے بچانا اور اصلاح بین المسلمین تھا، لیکن مفسدین ومعاندین نے ان لوگوں کو میدان جنگ میں لا کھڑا کردیا، بہر حال حضرت عائشہ اپنی پوری زندگی اس پر متاسف رہیں، عقاد کا خیال ہے کہ حضرت عائشہ کی سیاست کو سامنے رکھتے ہوئے یہ ہرگز استدلال نہیں کیا جاسکتا کہ عورت کو سیاست میں حصہ لینے کا جواز حاصل ہے، اللہ تعالی نے عورت کو گھر کی نگرانی کے لئے متعین کیا ہے، ملک کی قیادت اور اس کے انتظام وانصرام کے لئے نہیں۔

اس طرح تحقیق وتنقید کے لحاظ سے عقاد کی یہ کتاب سیرت عائشہ کے سلسلے میں ایک بیش بہا اضافہ اور ایک مستند دستاویز کی حیثیت رکھتی ہے، عقاد کی تحریروں کی ایک بڑی خوبی یہ ہے کہ ان کو پڑھ کر ذہن انسانی شکوک وشبہات کا شکار نہیں ہوتا، جیسا کہ عربی میں طہ حسین وغیرہ کی تحریروں کا خاصہ ہے، عقاد نے عربی زبان میں سیرت نگاری کے فن کو ایک نئے انداز سے متعارف کرایا ہے، اس لحاظ سے عربی سیرت نگاری میں ان کو وہی حیثیت حاصل ہے جو اردو میں علامہ شبلی نعمانی" کو۔

بہر حال نقوش عقاد بھی کتابت وطباعت کی غلطیوں سے پاک نہیں ہے، کہیں کچھ حروف چھوٹے ہیں تو کہیں پورا پورا لفظ لکھنے سے رہ گیا ہے اور کہیں کہیں ترکیب میں الٹ پلٹ آگئی ہے، ایک خاص چیز جو اس کتاب کو پڑھ کر محسوس ہوئی وہ یہ کہ اے کاش مؤلف نے عقاد کی "عبقریۃ محمد ﷺ" کو بھی اس کتاب میں شامل کرلیا ہوتا، جو یقینا عقاد کی ایک شاہکار تصنیف ہے، جس میں ان کے فکر وفن کی بلندی پوری طرح جلوہ گر ہے، یہ اردو قارئین کے لئے ایک قیمتی تحفہ ہوتا اور اس سے اس کتاب کی قدر وقیمت میں مزید اضافہ ہوجاتا، امید ہے کہ آئندہ ایڈیشن کے وقت ڈاکٹر صاحب اس پر غور کریں گے۔ عقاد کا مشہور قول ہے کہ ایک موضوع پر الگ الگ تین کتابوں کے پڑھنے سے بہتر ہے کہ ایک ہی کتاب کو تین بار پڑھا جائے۔ عقاد کی العبقریات الاسلامیہ اس لائق ہیں کہ انھیں بار بار پڑھا جائے اور ان سے درس عبرت لیا جائے، اردو قارئین کو ڈاکٹر ابوسفیان اصلاحی کا شکر گزار ہونا چاہیے کہ انھوں نے عقاد کی ان تحریروں کو اردو میں پیش کرنے کی طرف توجہ کی، وہ اس کے لئے لائق مبارکباد ہیں اللہ تعالی انھیں اس کا بہترین اجر دے اور ان کے علم اور عمر میں برکت عطا فرمائے۔ آمین ☆☆☆

مذاہب عالم

بدھ مت کی مقدس کتابیں

(۲)

انیس احمد فلاحی

پہلی بدھ کونسل میں گوتم بدھ کی جملہ تعلیمات کو مدون کرلیا گیا تھا جسکے دو حصے تھے۔ ونایا (شرعی قوانین) اور دھما "دینیات" شرعی قوانین سے مراد وہ قوانین ہیں جو گوتم بدھ نے خانقاہی "راہبانہ" زندگی کے لئے تجویز کئے تھے۔ بعد میں ان کتابوں کی روشنی میں تیسری بدھ کونسل میں بدھ مت کی موجودہ مقدس کتابیں مدون کی گئیں جنھیں "تری پٹیکا" کہا جاتا ہے۔ ان کا مختصر تعارف ہدیہ قارئین کیا جارہا ہے۔

۱: ونایا پٹیکا: (نظم وضبط کی ٹوکری) یہ پانچ کتابوں کا مجموعہ ہے جن میں راہبوں اور راہباؤں کا زندگیوں کے لئے تفصیلی ہدایات موجود ہیں۔ ونایا (Discipli) کے لغوی معنی اصولوں کے آتے ہیں چونکہ اس پٹیکا میں بھکشوؤں کے خانقاہی وراہبانہ نظام کے اصول انکی تاریخ اور انکے طریقہ کار کو جمع کیا گیا ہے اس لئے اسے ونایا پٹیکا کا نام دیا گیا۔

(دیکھئے ونایا پٹیکا کا پیش لفظ از رائل شاشنک رتیاین ص ۱)

۲: ستا پٹیکا (تقاریر اور مکالمات کی ٹوکری) اس میں گوتم بدھ کی تقاریر اور مکالمات ہیں۔ نیز وہ سارے اقوال اور تعلیمات بھی جو انھوں نے اپنے شاگردوں کو دی تھیں۔

ستا پٹیکا کو نکھم نکائے بھی کہتے ہیں تری پٹیکا میں اس کا مقام انتہائی بلند ہے۔ دانشوروں کا خیال ہے کہ اگر تمام بدھ صحیفے ضائع ہوجائیں اور صرف نکھم نکائے باقی رہے تو ہم کو اسکی مدد سے گوتم بدھ کی شخصیت نظریات اور تعلیمات کو سمجھنے میں کوئی دقت نہ ہوگی۔ (ص: ت نکھم نکائے)

۳: ابھی دھما پٹیکا: (مابعد الطبیعاتی ٹوکری) جو بعد میں آنے والے علماء کے نظریات عقائد اور اخلاقیات پر مبنی تحریروں پر مشتمل ہے۔

ان پٹکاؤں میں سے ہر ایک مزید الگ کتابوں میں منقسم ہے۔ انگی دھماپدیکا کو راہب خاص طور پر استعمال کرتے ہیں۔ دھماپدیکا سب سے زیادہ پسندیدہ اور بہت وسیع پیمانے پر پڑھی جانے والی ھنایان فرقہ کی کتاب ہے۔ اس میں "دھماپدا" (نیکی کا راستہ) بھی شامل ہے جو نظموں کا مجموعہ ہے اور شاید بدھ مت کے مقدس متون میں سب سے زیادہ جانی پہچانی کتاب ہے۔

تری پٹیکا کی زبان: یہ متون پالی زبان میں ہیں۔ اسکے بارے میں خیال کیا جاتا ہے کہ یہ سری لنکا میں پہلی صدی قبل مسیح میں جمع کیے گئے تھے۔ بعد میں یہ متون راجہ کنشک کے زمانے میں سنسکرت میں لکھے گئے۔ یہ متون بدھ مت کی چوتھی کونسل (پشاور) میں مرتب ہوئے تھے اور جو بعد میں غائب ہو گئے۔ کہا جاتا ہے کہ چینی زبان میں ان کا ترجمہ موجود ہے۔

تری پٹیکا اور مہایان فرقہ: مہایان فرقہ ان صحائف کو تسلیم نہیں کرتا کیونکہ تیسری بدھ کونسل میں اس فرقے کو "بدھ ازم" سے خارج کر دیا گیا تھا اور یہ صحائف اسی کونسل میں ترتیب دیے گئے تھے۔ مہایان فرقے کے صحائف الگ ہیں۔ اور ھنایان فرقے کے صحائف کی طرح یہ بھی تین حصوں میں منقسم ہیں۔

الف: ونایا:　مذہبی نظام کے لئے قواعد۔

ب: سوتر:　تقاریر اور مکالمے۔ یہ "ستاپٹیکا" سے ملتی جلتی ہے۔

ج: شاستر:　فلسفیانہ مباحث۔

یہ مہایانا صحائف تیزی سے ارتقاء کرتے ہوئے بہت زیادہ مختلف مجموعوں میں تبدیل ہو گئے اور اس میں زیادہ افسانے اور عوام پسند نوعیت کی تصانیف بھی شامل ہو گئیں۔ ان میں سب سے زیادہ شوق سے پڑھی جانے والی دو کتابیں ہیں۔

۱: للتاوستارا۔

۲: سدھرما پنداریکایا (حیرت انگیز قانون کا کنول)

یہ کتابیں انتہائی واضح ہیں اس میں مستقبل میں آنے والی بودھی ستوا کا تفصیل سے تذکرہ ہے۔ اس میں "بدھی ستوا" کو ان تمام صفات سے متصف قرار دیا گیا ہے جو قادر مطلق کی

صفات ہیں۔ جن سے ایسا لگتا ہے کہ یہ ہستی پوری کائنات کو کنٹرول کر رہی ہے۔

بدھ صحائف کی اخلاقی تعلیمات: ۱: نفرت نفرت سے کبھی نہیں دور ہو سکتی۔ نفرت محبت سے دور ہوتی ہے اسکی یہی خاصیت ہے۔ (۵۰)

۲: ایک شخص کی عمدہ نصیحت جس پر وہ عمل نہیں کرتا ہے ویسی ہی ہے جیسے ایک خوشنما اور خوش رنگ پھول ہے مگر اسمیں خوشبو نہیں ہے۔ (۵۱)

۳: سب لوگ سزا کے نام سے کانپتے ہیں۔ سب لوگ موت کے نام سے ڈرتے ہیں یاد رکھو تم بھی انہیں کی طرح ہو بس نہ کسی کو قتل کرو اور نہ کسی کو ایسا کرنے کی ترغیب دو۔ (۱۲۹)

۴: رشیوں اور منیوں کی ہدایت ہے کہ گناہ نہ کرو، نیکی کرو۔ اور اپنے باطن کو صاف رکھو۔ (۱۸۳)

۵: غصہ کو نرمی سے فرو کرنا چاہیے طامع کو فیاضی سے اور جھوٹے کو سچائی سے فتح کرنا چاہیے۔ (۲۲۳)

۶: دوسروں کی برائی تو بہت آسانی سے معلوم ہو جاتی ہے مگر اپنی برائی معلوم کرنا بہت مشکل ہے۔ ہر شخص اپنے ہمسائے کی ذرا ذرا سی برائیوں کو اچھالتا ہے مگر اپنی برائیوں کو اسطرح چھپاتا ہے جس طرح فریبی غلط پانسے کو قمار باز سے پوشیدہ کرتا ہے۔ (۲۵۲)

۷: بزرگ وہ شخص ہے جسمیں عقل، راستی، محبت، ضبط اور اعتدال ہو اور جو برائیوں سے پاک ہو۔ (۲۶۱)

۸: کوئی شخص نسب یا خاندان کی وجہ سے برہمن نہیں کہا جا سکتا ہے وہی شخص مبارک ہے اور وہی برہمن ہے جس میں سچائی اور راستبازی ہو۔ (۳۹۳)

۹: اے نادان چکنے بالوں یا بکری کی کھال کی پوشاک سے کیا فائدہ؟ تیرا باطن تو خراب ہے اور ظاہری صورت کو صاف رکھتا ہے۔ (دھمپدا)

☆☆☆

فقہ وفتاوی

ابوارقم فلاحی

سوال: کیا انگریزی تاریخ اور مہینوں کا استعمال جائز ہے؟

الجواب وباللہ التوفیق. انگریزی تاریخ اور مہینوں کا استعمال مکروہ ونا پسندیدہ ہے کیونکہ یہ مہینے قدیم یونانی ورومی دیوی دیوتاؤں کے ناموں سے عبارت ہیں، اور ظاہر ہے ان کے استعمال سے ان دیوی دیوتاؤں کا تذکرہ بلند ہوتا ہے جس سے توحید کی عظمت پر حرف آتا ہے، چنانچہ امام احمد رحمہ اللہ سے پوچھا گیا کہ ایرانیوں کے الگ مہینے اور دن ہیں جن کی وجہ تسمیہ غیر معروف ہے تو کیا انھیں استعمال کرنا جائز ہے تو آپ نے شدید خفگی وناراضگی کا اظہار فرمایا۔ اور امام مجاہد سے یہ سوال کیا گیا کہ کیا پارسی ماہ" آذر ماہ" کا استعمال جائز ہے تو آپ نے اسے مکروہ قرار دیا۔ نیز انگریزی مہینوں کے استعمال سے ان قمری مہینوں کا اہمال لازم آتا ہے جو قرآن سے ثابت ہیں۔ اور جن کو اختیار کرنا قرآن کا منشاد مقصود ہے۔ واللہ اعلم

☆☆☆☆

(بقیہ جامعہ کے لیل ونہار)

ششماہی مجلہ علمی مجلے کے تعلق سے یہ بات طے پائی کہ وہ ششماہی ہوگا جس کا ایک شمارہ عربی میں اور دوسرا انگریزی میں نکلے گا، ادارت کے لئے موزوں فرد کی تلاش جاری ہے۔

مطبوعات ادارہ علمیہ کے مطبوعات کو منظر عام پر لانے اور انھیں افادۂ عام کے لئے شائع کرتے رہنے کی بات طے کی گئی، ساتھ ہی یہ بات بھی طے کی گئی کہ جو غیر مطبوعہ مواد موجود ہے اسے بھی ایک ترتیب کے ساتھ شائع کیا جائے اور بعض نصابی وعلمی موضوعات پر موجود کتب کے منتخبات اور نئی کتب تیار کرائی جائیں، امید ہے عنقریب موزوں فرد کی فراہمی کے ساتھ ہی جملہ امور انجام پانے لگیں گے۔ (تجمال الدین فلاحی، شعبہ رابطہ عامہ)

جامعہ کے لیل ونہار

(ادارہ)

امسال جن مؤلفین ومحسنین نے اپنی تخلیقات یا کتابیں لائبریری کو ہدیہ کی ہیں ان کی ایک جھلک ہدیۂ قارئین کی جارہی ہے۔

	اسماء کتب	ہدیہ کنندہ
۱	قرآن کریم میں نظم ومناسبت	ڈاکٹر عبید اللہ فہد فلاحی
۲	Islamic Politry and Orientalist	//
۳	Islamic Revivalism	//
۴	سید قطب شہید حیات وخدمات	//
۵	اسلامی عقیدہ، عفیف عبد الفتاح	//
۶	الامام ابن جریر طبری حیات وخدمات	احسان اللہ فہد فلاحی
۷	حجۃ اللہ البالغہ ایک تجزیاتی مطالعہ	محمد یسین مظہر صدیقی
۸	جاپان اور پیغام حق	محمد یوسف اصلاحی
۹	عہد عباسی کے چند ائمہ علم وفن	توقیر عالم فلاحی
۱۰	مطالعہ دینیات اور اسلام	//
۱۱	علماء سلف کی قرآن فہمی	//
۱۲	برٹش اسکالرز ان قرآن	توقیر عالم
۱۳	اسکالرز ان مسلم تھیالوجی	//
۱۴	مولانا عبد السلام ندوی کی علمی وادبی خدمات ڈاکٹریٹ کا (مقالہ)	عبد الرشید اعظمی
۱۵	مولانا ابو اللیث ندوی کے قرآنی مقالات	عمیر منظر

۱۶	مولانا عبدالرحمن محدث مبارکپوری حیات و خدمات "ڈاکٹریٹ کا مقالہ"	عین الحق قاسمی
۱۷	لہو چراغ	عالم نقوی
۱۸	گجرات کے جلتے دن رات	اعظم شہاب
۱۹	انڈین کنٹری بیوشن ان فقہ لٹریچر	ضیاء الدین ملک فلاحی

مذکورہ بالا مصنفین کے علاوہ جناب مولانا اسعد الاثری فلاحی صاحب نے کلیۃ البنات کی لائبریری کو کل ۵۸ کتابیں ہدیہ کی ہیں اسی طرح برادرم ابوزید فلاحی نے آٹھ کتابیں رضوان احمد فلاحی نے چار اور امتیاز احمد فلاحی نے فقہ السنہ کا ایک سیٹ سنٹرل لائبریری کو ہدیہ کیا ہے۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ان کے ہدیہ کو شرف قبولیت بخشے اور اسے ان کے درجات کی بلندی کا ذریعہ بنائے۔ آمین (عبدالرحمن خالد فلاحی)

سہ ماہی خبرنامے کا اجراء: مجلس شوریٰ جامعۃ الفلاح نے ادارہ علمیہ کو متحرک کرنے، علمی مجلہ کے امور و مسائل پر غور و فکر کرنے اور سہ ماہی خبرنامے کے اجراء کی تفصیلات طے کرنے کے لئے اپنے حالیہ اجلاس میں ایک کمیٹی تشکیل دی تھی ارکان کمیٹی ۱۔ مولانا ابوالمکارم فلاحی صاحب، ۲۔ مولانا نسیم غازی فلاحی صاحب، ۳۔ مولانا نعیم الدین اصلاحی صاحب ۴۔ مقبول احمد فلاحی صاحب۔

کمیٹی کی پہلی نشست ۲۳ر فروری کو دہلی میں منعقد ہوئی جس میں کنوینر کمیٹی مولانا مقبول احمد فلاحی صاحب نے پوری صورتحال کا جائزہ پیش کیا بعد ازاں مختلف امور پر تبادلۂ خیال کے بعد طے پایا کہ ماہ اپریل سے اردو خبرنامے کا اجراء کر دیا جائے، اس کے ایڈیٹر جناب مولانا نعیم الدین اصلاحی صاحب بنائے گئے، اس خبرنامے میں جامعہ کے احوال و کوائف کا بطور خاص تذکرہ ہوگا، پیش نظر منصوبوں اور پروگراموں کا تعارف کرایا جائے گا، بعض تعلیمی و تربیتی امور و مسائل پر گفتگو ہوگی خبرنامہ ۸/۲۰×۳۰ سائز میں آٹھ صفحات پر مشتمل ہوگا۔

خبرنامے کے لئے درج ذیل افراد پر مشتمل مشاورتی بورڈ تشکیل دیا گیا۔

۱۔ مولانا رحمت اللہ اثری صاحب ۲۔ مولانا مقبول احمد فلاحی صاحب ۳۔ مولانا محمد طاہر مدنی صاحب

(باقی صفحہ ۳۶ پر)